

توحیدِ الرحمٰن

بجواب

استمداد از عباد الرحمٰن

تالیف

شیخ الاسلام حضرت العلام مجتہد العصر

حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

تبویب و تخریج

حافظ عبدالوہاب روپڑی

محدث روپڑی اکیڈمی

جامعہ اہل حدیث چوک دالگراں لاہور

توحید الرحمان

بجواب

استمداد از عباد الرحمٰن

تالیف

شیخ الاسلام حضرت العلام مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

تبویب وتخریج

حافظ عبدالوہاب روپڑی

ناشر محدث روپڑی اکیڈمی جامعہ اہل حدیث چوک دالگراں لاہور

نام کتاب .... توحید الرحمان بجواب استمد اداز عباد الرحمٰن

مولف .... شیخ الاسلام حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

طبع .... اول

تعداد .... ایک ہزار

قیمت ....

سن اشاعت ۲۰۰۱ء

کمپوزنگ .... **حافظ نصر اللہ بھٹی**

ناشر

محدث روپڑی اکیڈمی

جامع القدس چوک دالگراں لاہور

نمبر شمار	فہرست مضمون	صفحہ نمبر
1	عرض ناشر	1
2	پیش لفظ	3
3	مسئلہ قدرت مطلق	4
4	مولانا نعیم الدین مراد آبادی کا عقیدہ	4
5	سید محمد احمد قادری کا عقیدہ	4
6	احمد رضا خان بریلوی کا عقیدہ	4
7	وجہ تالیف	8
8	عباد الرحمٰن سے مدد مانگنے کے معانی	9
9	مسئلہ غیب قرآن و حدیث میں	11
10	ابراہیم علیہ السلام اور علم غیب	14
11	یوسف علیہ السلام اور علم غیب	14
12	موسیٰ علیہ السلام اور علم غیب	15
13	خضر علیہ السلام اور علم غیب	15
14	داؤد علیہ السلام اور علم غیب	15
15	رسول اللہ ﷺ اور علم غیب	16
16	مسئلہ علم غیب از کتب فقہ حنفیہ	19
17	قدرت مطلق	21
18	اذن	28
19	بریلوی حضرات کی ایک اور ڈبل غلطی	42
20	حدیث قدسی کا صحیح مفہوم	45

صفحہ نمبر	فہرست مضمون	نمبر شمار
47	بریلوی حضرات کی کج فہمی	21
49	اسباب عادیہ	22
55	بت اور مشرکین	23
61	وسیلہ استمداد	24
66	آیت کے استدلال میں غلطی	25
79	شفاعت باذن اللہ اور خدائی اختیارات میں فرق	26
82	اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا مبلغ علم	27
84	بریلویوں کا مشہور وظیفہ	28
86	صاحب رسالہ کی قرآن وحدیث سے غفلت	29
86	بریلوی حضرات کی مقام توحید میں غلطی	30
88	کیا شیخ جیلانی نے فرمایا ہے کہ مجھ سے مدد مانگو	31
90	علمی نکتہ	32
91	حدیث کی تشریح شیخ جیلانی کی زبانی	33
92	صاحب رسالہ کی کم علمی	34
93	بریلوی حضرات کی ڈبل غلطی	35
93	نواب صدیق الحسن خان اور استمداد لغیر اللہ	36
93	بریلویہ کے علم کا جنازہ نکل گیا	37
101	سماع موتی	38
102	بریلوی حضرات کا غلو	49
106	صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارہ میں دوسری دلیل	40
109	تیسری دلیل	41

نمبر شمار	فہرست مضمون	صفحہ نمبر
42	چوتھی دلیل	109
43	چھٹی دلیل	111
44	ساتویں دلیل	112
45	آٹھویں دلیل	113
46	نویں دلیل	113
47	دسویں دلیل	113
48	دلیل نمبر 11	114
49	دلیل نمبر 12	115
50	تیرویں دلیل	115
51	پندرھویں دلیل	118
52	سولہویں دلیل	119
53	امام ابوحنیفہ اور سماع موتی	125
54	امام ابوحنیفہ کے نزدیک سلام کے وقت قبل رخ ہونا	126
55	صاحب رسالہ کا جھوٹ	127
56	زیارت قبر و طریقہ فاتحہ خوانی	130
57	ذکر برائے کشف قبور	131
58	شاہ ولی اللہ کا مناظرہ	134
59	مسئلہ امکان کذب	136
60	ندائے غیبیہ	142

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

گوناں گوں حمد وثناء رب ذوالجلال ولاا کرام کے لیئے مخصوص ہے کہ جس نے ہمیں اسلام جیسی عظیم دولت ونعمت سے نوازا اور ہماری ہدایت کے لیئے اپنے رسول مقدس جناب محمد رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ہمیں نجات کا طریقہ بتایا۔

یہ 1958/59ء کی بات ہے کہ انجمن حزب الاحناف لاہور کی طرف سے ایک کتاب ''استمداد از عباد الرحمٰن'' شائع ہوئی جو شرک کی ترویج اور توحید کی تردید وتدمیر پر مبنی تھی۔ ارباب جماعت اہل حدیث نے محدث روپڑیؒ سے اس شرکیہ کتاب کے رد میں مسکت جواب لکھنے کی فرمائش کی تا کہ مخالفین کی زبان بند ہو جائے اور ان کے ہاتھ شکستہ ہو جائیں نہ ان کی قوت گویائی اور تاب تحریر باقی رہے اور آئندہ منصۂ شہود پر نہ آئے۔

جناب حافظ عبداللہ روپڑیؒ محدث وقت نے اس کتاب کا جواب توحید الرحمٰن بجواب استمداد از عباد الرحمٰن تحریر فرمایا لیکن تقریر بہ غالب تدبیر تھی کہ حافظ صاحب موصوف نے اپنی زیست میں کتاب تو تصنیف کر دی لیکن داعی اجل نے ان کو مہلت نہ دی کہ وہ اس کی تبویب وتصویب جدید کر سکیں۔ اب ہم نے بفضل حق تعالیٰ اس کتاب کی تبویب و ترتیب کر لی ہے۔ تا کہ عوام الناس ان علمی جواہر پاروں سے استفادہ کر سکیں اور شرکیہ ظلمات سے باہر آ جائیں اور نجات اخروی حاصل کریں، اس کتاب کی طباعت کے بعد انشاءاللہ حافظ صاحب کی بقیہ تصنیفات مثلاً سماع موتی، نکاح شغار، اطفاء الشمعہ، درایت تفسیری، بکرادیوی جس میں مااھل بہ لغیر اللہ کی محدثانہ اور محققانہ تفسیر کی گئی ہے۔ وہ یکے بعد دیگرے زیور طباعت سے آراستہ ہونگی تا حال ایسی منہ توڑ اور مسکت کتابیں منصۂ شہود پر نہیں آئیں۔

اب تک موصوف کی مندرجہ ذیل کتب طبع ہو چکی ہیں۔

(1) انسانی زندگی کا مقصد۔

(2) زیارت قبر نبوی ﷺ

(3) ارسال الیدین بعد الرکوع۔

(4) تحقیق التراویح۔

(5) انسانی زندگی کا مقصد۔

(6) تقلید اور علماء دیوبند۔

(7) وسیلہ برزگان۔

(8) رد بدعات۔

یہ کتاب جو آپ کے دست مبارک کی زینت ہے۔ اب انشاء اللہ خالق کل کی توفیق سے اور آپ کے مخلصانہ تعاون سے یکے بعد دیگرے حافظ صاحب مرحوم کی تصانیف آپ کے زیر نظر ہوں گی اور انشاء اللہ آپ کو قلبی سکون پہنچائیں گی۔ ان کتب کی نشر واشاعت میں آپ اپنا اخلاقی اور دینی فریضہ سمجھ کر حصہ لیں اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کریں گے کہ اللہ عزوجل! ہمیں اس اہم ذمہ داری کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

یاد رہے سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑیؒ کے کچھ مناظرہ جات کتابی شکل میں میزان مناظرہ کے نام سے منظر عام پر آ چکے ہیں اور ہم ان کے دیگر مناظروں کو وقتاً فوقتاً مجلہ ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث میں پیش قارئین کیا کریں گے۔ قائین کرام مجلہ تنظیم اہل حدیث کی سرپرستی فرمائیں تاکہ قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں آپ کے پیش نظر اور گوش گزار ہوتی رہیں۔

نام نیک رفتگان ضائع مکن　　　تا بماند نام نیکت برقرار

حافظ عبدالوہاب روپڑی

جامعہ اہل حدیث چوک دالگراں لاہور۔

پیش لفظ

موحدین اور بریلوی حضرات کے درمیان میں جزوی اختلافات تو بہت سے ہیں جیسے گیارہویں، تیجا، ساتا، چالیسواں، برسی، عرس ومیلاد وغیرہ لیکن اہم بنیادی مسائل پر اختلاف صرف دو مسئلوں میں ہے اور باقی سب ان کی ذیلی شاخیں ہیں۔

اولاً:۔ مسئلہ علم غیب اور ثانیاً:۔ مسئلہ قدرت مطلق

مسئلہ علم غیب

علم غیب وہ ہوتا ہے جو ''حس'' اور ''عقل'' کے ذریعہ حاصل نہ ہوتا ہو بلکہ اسباب عادیہ سے بالاتر ہو جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

'' وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم''

اور میں تمہیں اس کی خبر دیتا ہوں جو تم کھا کر آتے ہو یا اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو (آل عمران:۴۹)

بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ یہ ''علم'' جس طرح اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ٹھیک اسی طرح یہ علم بزرگوں کو بھی حاصل ہے اور ''علم کلی'' ہے یعنی ہر چیز کا علم ان کے پاس موجود ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ''ذاتی'' ہے اور بزرگوں کا ''عطائی''۔

موحدین یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کا ''علم'' بزرگوں کو نہ ''ذاتی'' ہے نہ ''عطائی'' انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کبھی ''وحی'' کے ذریعہ کسی بات پر مطلع کر دے تو اس سے انکار نہیں۔ یہ متفقہ چیز ہے۔ چنانچہ سورۃ ''جن'' وغیرہ میں اس کا بیان موجود ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کھانے وغیرہ کے مطلق ''خبر دینا'' جس کا ذکر ابھی ہوا، اسی قسم سے ہے۔

مسئلہ قدرت مطلق"

دوسرا مسئلہ قدرت مطلق یعنی پوری قدرت اور پورے اختیارات کا ہے بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اختیارات بزرگوں کو دے دیئے ہیں جیسے اللہ جو چاہے کر سکتا ہے ایسے بزرگ بھی کر سکتے ہیں۔ ان دونوں مسئلوں کا باطل ہونا آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ روشن ہے۔ پہلا مسئلہ اس لیئے کہ بزرگ "بشر" ہیں اور بریلوی حضرات کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

"مولانا نعیم الدین مراد آبادی کا عقیدہ"

ان کی کتاب "کتاب العقائد" جس کے مصنّف کا نام سرورق پر یوں لکھا ہے۔ سیّد المفسرین صدر الفاضل مولانا الحاج نعیم الدین مراد آبادی اس کتاب کے صفحہ ۴ میں لکھتے ہیں کہ انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ کی طرف سے "وحی" آتی ہے۔

"ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کا عقیدہ"

اس کے علاوہ ایک کتاب "مرکزی انجمن حزب الاحناف" لاہور نے شائع کی ہے۔ اس کا نام ہے "العقائد" اس کے مصنف کا نام سرورق پر یوں لکھا ہے۔ حضرت علامہ حکیم ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری خطیب مسجد وزیر خان لاہور۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۵۔۱۶ میں ہے کہ "نبی" وہ "بشر" ہے جو اللہ کی طرف سے آئے اور احکام الٰہی بذریعہ وحی اس کے پاس آتے ہوں۔ جس قدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں سب بشر تھے۔

"مولانا احمد رضا خان بریلوی کا عقیدہ"

اب بریلویوں کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کا عقیدہ سنیئے۔ انہوں نے قرآن مجید کا ترجمہ لکھا جس کا نام "کنز الایمان فی ترجمہ القرآن" ہے۔ اس ترجمہ پر

بریلویوں کے حضرت صدر الافاضل مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے حاشیہ لکھا ہے جو اس ترجمہ کی شرح ہے اس کا نام ''خزائن العرفان فی تفسیر القرآن'' یہ قرآن مجید مترجم مع حاشیہ چھپ چکا ہے۔ اس میں سورۃ التغابن کی چھٹی آیت مع ترجمہ و حاشیہ ملاحظہ ہو:

﴿ذلك بانه كانت تاتيهم رسلهم بالبينت فقالوا ابشر يهدوننا فكفروا وتولوا واستغنى الله والله غنى حميد﴾

ترجمہ: ''یہ (عذاب) اس لیئے ہے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لائے (۸) تو بولے، کیا (بشر یعنی) آدمی ہمیں راہ بتائیں گے (۹) تو کافر ہوئے (۱۰) اور پھر گئے (۱۱) اور اللہ بے نیاز ہے سب خوبیوں کا سراپا ہے۔ (التغابن: ۶)

حاشیہ مولوی نعیم الدین صاحب کا تحریر کردہ ہے۔

حاشیہ نمبر ۸ معجزے دکھائے نمبر ۹ یعنی انہوں نے ''بشر'' کے ''رسول'' ہونے کا انکار کیا اور یہ کمال بے عقلی و نافہمی ہے پھر ''بشر'' کا رسول ہونا تو نہ مانا، اور پتھر کا خدا ہونا تسلیم کر لیا۔ نمبر ۱۰ رسولوں کا انکار کر کے نمبر ۱۱ ایمان سے۔

ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ بریلوی حضرات رسولوں کو ''بشر'' مانتے ہیں اور جب ''رسول'' بشر ہوئے تو دوسرے بزرگ بطریق اولیٰ ''بشر'' ہوئے اور بشریت کے ساتھ بھول چوک لازم ہے۔ چنانچہ رسول ﷺ خود ہی فرماتے ہیں۔

انما انا بشر مثلكم انسى كما تنسون.

سوائے اس کہ نہیں میں تمہارے جیسا ایک بشر ہوں۔ جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں (مشکوۃ باب السہو صفحہ ۹۲)

ایسے حالات میں ''علم غیب'' کہاں رہا۔ اس کے علاوہ یہ کس قدر واضح بات ہے

کہ اگر آپ ؐ کو "کلی علم غیب" ہوتا تو پھر وحی کے سلسلے کی کیا ضرورت تھی؟ اسی بناء پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ؐ سے فرماتے ہیں:

﴿ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر و مامسنی السوء﴾

(اے پیغمبر!) "اگر مجھے علم غیب ہوتا تو میں بہت سی بھلائی (1) جمع کر لیتا اور مجھے برائی (یعنی تکلیف) نہ پہنچتی۔"

یہ بات ظاہر ہے کہ بھلائی حاصل کرنے کے لیئے اور برائی سے بچنے کے لیئے ذاتی اور عطائی علم یکساں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بزگوں کو علم غیب نہ "ذاتی" ہے۔ نہ "عطائی" اور اس سے دوسرے مسئلہ کی بھی وضاحت ہو گئی کیونکہ بشریت کو جیسے بھول چوک لازم ہے۔ کمزوری بھی لازم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

خلق الانسان ضعیفا انسان کمزور پیدا ہوا ہے (النساء:۲۸)

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قل لا املک لنفسی نفعا و لا ضرا الا ماشاء اللّٰہ﴾

یعنی میں اپنی جان کے لیئے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے (الاعراف:۱۸۸)

اس بناء پر معجزات و کرامات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ خدائی فعل ہوتا ہے صرف بندے کے ہاتھ ظاہر ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں و ما رمیت اذ رمیت و لکن

---

(۱) بعض کہتے ہیں جب آپ کو حوض کوثر مل گیا تھا بھلائی کثیر مل گئی۔ تو ثابت ہوا آپ کو کلی علم غیب مل گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جس بھلائی برائی کا ذکر ہے اس کا ذریعہ "علم غیب" ہے اور وہ دنیا کا آرام اور (دنیا ہی کی) تکلیف ہے۔ حوض کوثر میں "علم غیب" کو دخل نہیں وہ ایسا ہے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ جنت دیں گے حالانکہ ان (مسلمانوں) کو "علم غیب" نہیں۔ اس کے علاوہ اس آیت میں جیسے بھلائی کا ذکر ہے ایسے ہی برائی کا بھی ذکر ہے تکلیفوں سے آپ نہیں بچ سکے تو پھر علم غیب کہاں رہا۔

اللّٰہ رمیٰ (الآیۃ پ ۹) یعنی جنگ بدر میں آپؐ نے کنکریوں کی مٹھی کافروں کی طرف پھینکی اور سب کافروں کی آنکھوں میں پڑ گئی وہ (درحقیقت) خدا نے پھینکی آپؐ نے نہیں پھینکی یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جب پہلی دفعہ اژدھا بنا تو موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگے اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی کہ ﴿لاتخف انک من الآمنین﴾ (پ ۲۰) تو نہ ڈر بے شک تو امن والوں سے ہے۔

چنانچہ سورۃ قصص اور سورۃ نمل میں ہے اگر یہ فعل موسیٰ علیہ السلام کے اختیار سے ہوتا تو وہ ڈر کر کیوں بھاگتے؟ یہ کیسی واضح دلیل ہے کہ معجزات وکرامات انبیاء کرام اور اولیاء کرام کا فعل نہیں الغرض یہ دو مسئلے ایسے واضح ہیں کہ ان کے رات بھی دن ہے لیکن خدا کی شان جتنے یہ مسئلے واضح ہیں اتنے بریلوی حضرات ان سے اندھیرے میں ہیں۔

جن کا باعث چند غلط فہمیاں ھیں یہ رسالہ انہی غلط فہمیوں کا ازالہ ہے خدا تعالیٰ دلوں میں صفائی بخشے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اللهم اجعل اعمالنا كلها صالحة واجعلها بوجهك خالصة ولاتجعل لأحد فيها شيئاً

عبداللہ روپڑی ماڈل ٹاؤن لاہور

یکم ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

۱۰ - اگست ۱۹۶۴ء

وجہ تالیف

ایک دوست کی معرفت ہمیں ایک رسالہ ملا جس کا نام ''استمداد از عباد الرحمٰن'' یعنی عباد الرحمٰن سے مدد مانگنے کا ثبوت تھا۔ یہ رسالہ بزم احناف کوچہ نیا بازار لاہور کی طرف سے شائع کردہ تھا۔ اس دوست نے اس کے جواب کا مطالبہ کیا۔ پہلے تو مصروفیت کی بناء پر معذرت کی مگر اس نے زیادہ اصرار کیا اور کہا کہ فریق مخالف کا دعویٰ ہے کہ اس کا جواب کوئی دے ہی نہیں سکتا بنابریں خیال ہوا کہ اس ''رسالہ کے دلائل'' کا بنظر اختصار جواب لکھ دیا جائے۔ وباللہ التوفیق.

عباد الرحمٰن سے مدد مانگنے کے معنی

عباد الرحمٰن سے مدد مانگنے کے دو معنی ہیں۔

پہلا معنی: وہ جو مولف رسالہ مذکور نے صفحہ ۲۔۳ پر بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں وسائل و اسباب بنائے ہیں جن کو ہم استعمال کرتے ہیں مثلاً

(1) اولاد صحیح النسب پیدا کرنے کے لیے میاں بیوی کا ازدواجی رشتہ۔

(2) بوقت پیدائش دائیہ یا نرس کی ضرورت۔

(3) بچوں کی تربیت و پرورش کے لیئے والدین کا وسیلہ۔

(4) تعلیم کے لیئے استاد کی ضرورت۔

(5) روزی کمانے کے لیئے کوئی ذریعہ معاش۔

(6) کوئی لڑکا محنت کر کے دسویں جماعت پاس کر لیتا ہے تو اسے ادنیٰ سی نوکری کے لیئے سفارش۔

(7) بندوں کی ہدایت کے لیئے انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی۔

الغرض جملہ امور دینی و دینوی کا دار و مدار، خالق ذوالجلال کے پیدا کردہ وسائل اور ایک دوسرے کی اعانت و امداد پر ہے۔

(رسالہ استمداد از عباد الرحمٰن صفحہ ۲۔۳)

دوسرا معنی: دوسرا معنی یہ ہے کہ ایک شخص دہلی میں ہے وہ لاہور میں بیٹھے ہوئے کسی شخص کو پکارے کہ ہماری امداد کر یا کسی فوت شدہ کی قبر پر جا کر مدد مانگے کہ ہماری فلاں مراد خود پوری کر یا اللہ تعالیٰ سے پوری کرا دے، ہم تیرے در کے فقیر ہیں ہماری کشتی پار لگا دے وغیرہ وغیرہ۔

مصنف رسالہ نے پہلی قسم کی ''امداد'' کا ذکر کر کے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ دوسری بھی جائز ہے گویا جیسے زندگی میں بیوی ہمارا کھانا پکاتی ہے مرنے کے بعد بھی اس کو کہہ سکتے ہیں کہ ''ہمارا کھانا پکاؤ'' یا جیسے کسی جھگڑے میں پولیس سے امداد طلب کی جاتی ہے اس سے ''بیٹا'' بھی مانگا جاسکتا ہے۔ یہ کیسی بے ہودہ سی بات ہے۔ معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھتا ہے کہ ''امداد'' کی پہلی قسم کا دوسری سے کوئی تعلق نہیں۔

پہلی قسم تو عادت اور دستور کے مطابق ہے اور اس میں عوام وخواص، اولیاء اور انبیاء علیہم السلام سب شریک ہیں۔ کھانے پینے اور دیگر ضروریات زندگی میں ان اسباب و وسائل کے محتاج ہیں۔ یہاں تک کے سیّد المرسلین حضرت محمد ﷺ اپنے چھوٹے چھوٹے خادموں (حضرت انسؓ وغیرہ) سے بھی اس قسم کی امداد لیتے تھے۔ اس میں چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں بلکہ حیوانات اور جمادات بھی اس میں شامل ہیں۔ جیسے زمین میں بیلوں سے ''ہل'' جوتتے ہیں، اونٹوں وغیرہ پر سواری کرتے ہیں، قلم سے لکھتے ہیں، چھری سے کاٹتے ہیں، کھانے سے بھوک مٹاتے ہیں، پانی سے پیاس بجھاتے ہیں اس میں نبی ولی سب ان چیزوں کے محتاج ہیں۔

قرآن مجید میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں:

رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر (پارہ ۲۰)

''یا اللہ! جو چیز تو نے (روزی) اتاری ہے میں اس کا محتاج ہوں۔''

غرض یہ سلسلہ عام تھا۔ اور دستور کے مطابق ہے بخلاف دوسری قسم کے کہ وہ خرق عادت کی قسم سے ہے اس کے ثبوت کے لیئے پہلے تین چیزیں ثابت ہونی چاہئیں۔

اول: یہ کہ دور والوں کو یا اہل قبور کو ہمارے حالات کا ''علم'' ہے۔

دوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ''خدائی اختیارات'' دے رکھے ہیں۔

سوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اجازت ہے کہ تم میرے بندوں کی حاجت روائی کرو۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ" اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش ہی نہیں کر سکتا (آل عمران:۲)

پہلی چیز" علم غیب" ہے۔ بریلوی حضرات" علم غیب" ثابت کرنے کے لیئے قرآن مجید کی چند آیات پیش کیا کرتے ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے سوا کسی کو" علم غیب" پر مطلع نہیں کرتا تو اس سے اولیاء اللہ کے علم غیب کی نفی ہوگئی پس اولیاء کو بوقت مصیبت پکارنا غلط اور ان آیات کے خلاف ہوا۔ دوسری بات یہ کہ رسولوں کو خصوصیت اس لیئے ہے کہ ان پر" وحی" نازل ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس بات کی اللہ تعالیٰ ان کو" وحی" کرے (ان کو) اس کا علم ہوتا ہے باقی کا نہیں۔

مسئلہ علم غیب قرآن وحدیث میں:

سیدالانبیاء ﷺ سے خطاب: یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سیدالانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کو فرماتے ہیں:

من اهل المدينة مردوا على النفاق لاتعلمهم نحن نعلمهم (پ ۱۱)

اہل مدینہ سے کئی منافق جن کو اے نبیؐ! آپ نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔

اور دوسری جگہ فرمایا:۔

﴿**لاتعلمونهم الله يعلمهم**﴾

تم ان کو نہیں جانتے اللہ جانتا ہے (التوبہ:۶۰)

نیز صحیح بخاری میں حدیث ہے نبیؐ فرماتے ہیں:

"کئی لوگ حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے تو فرشتے انھیں پیچھے ہٹائیں گے میں کہوں گا

یہ میرے صحابہ ہیں انہیں کیوں روکا جاتا ہے مجھے جواب میں کہا جائے گا:

(انك لا تدری ما عملوا بعدك

''آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا بدعات (۱) جاری کیں؟

(مشکوۃ جلد۲ صفحہ ۴۸۸ باب الحوض والشفاعہ)

---

(۱) وضاحت: بعض احادیث میں مذکور بالا الفاظ کی جگہ یہ الفاظ ہیں:

اما شعرت ما عملوا بعدك

''کیا آپ کو معلوم نہیں جو کچھ انہوں نے آپؐ کے بعد عمل کیا؟ (مسلم شریف جلد۲ باب اثبات الحوض صفحہ ۲۴۹)

بعض بریلوی حضرات ''کیا آپ کو معلوم نہیں؟'' کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ ''آپ کو معلوم ہے جو کچھ انہوں نے عمل کیا'' حالانکہ یہ مطلب حدیث کے سیاق وسباق کے بالکل خلاف ہے۔ اگر نبی ﷺ کو ''علم'' ہوتا تو آپ کا فرمانا کہ ''یہ میرے صحابہ ہیں ان کو کیوں روکا جاتا ہے'' غلط ہو جاتا ہے نیز مسلم شریف میں اما شعرت ما عملوا بعدك والله ما برحوا بعدك يرجعون على اعقابهم

یعنی فرشتے کہیں گے کہ اللہ کی قسم! آپؐ کے بعد یہ ہمیشہ دین سے پیچھے ہٹتے رہے۔

اگر نبی ﷺ کو علم ہوتا تو فرشتوں کو قسم کھانے کی کیا ضرورت تھی؟ کہ یہ ''دین'' سے پیچھے ہٹتے رہے ہیں۔ ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ مخاطب کو پہلے ہی علم ہوتا ہے۔ ان کی چند مثالیں سنیئے۔

اول: بخاری شریف جلد۲ صفحہ ۵۶۳ پر ایک طویل واقعہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امیہ بن خلف جو حضرت بلالؓ کو ایذاء دیا کرتا تھا اس کے حق میں رسول ﷺ نے پیش گوئی فرمائی کہ ''یہ ہمارے ہاتھ سے قتل ہوگا'' حضرت سعد بن معاذؓ کو مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوا، تو ان کی معرفت امیہ کو اس امر کا علم ہوا۔ گھبرایا ہوا اپنے گھر آیا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا: یا ام صفوان الم تری ما قال لی سعد قالت و ما قال لك قال زعم ان محمدا أخبرهم انهم قاتلی

''ام صفوان کیا تو نے نہیں دیکھا کہ سعد نے مجھے کیا کہا؟ وہ بولی کیا کہا؟ کہا محمد ﷺ نے ان کو خبر کردی ہے کہ وہ مجھے قتل کردیں گے۔ اس واقعہ میں لفظ ''الم تری'' استعمال ہوا ہے لیکن مسلمہ امر ہے کہ امیہ بن خلف کے بتانے سے پہلے اس کی بیوی کو کوئی علم نہیں تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ پہلے ''علم'' ہونا ضروری نہیں۔

دوم: رسول ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو فرمایا " **الم تری ان قومك بنوا الكعبه واقتصروا عن قواعد ابراهيم** "

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیری قوم نے بیت اللہ بنایا اور (اسے) حضرت ابراھیم علیہ السلام کی بنیادوں سے چھوٹا کر دیا" (بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۲۴۴)

دیکھئے یہاں بھی رسول ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو بیت اللہ چھوٹا بنانے کی خبر دی ورنہ حضرت عائشہؓ کو کوئی علم نہ تھا کہ (بیت اللہ) بنیاد ابراہیمی سے چھوٹا ہے۔

سوم: لوگ اسامہ بن زید بن حارث کے نسب میں شک کرتے تھے۔ مجزز مدلجی فن قیافہ کے بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے ایک روز اسامہ اور زید کو ایک چادر میں سوئے ہوئے دیکھا ان دونوں کے سر ڈھکے اور پاؤں ننگے تھے۔ مجزز نے کہا۔ "یہ قوم بعض بعض سے ہیں" "یعنی" باپ بیٹا ہیں" نبی ﷺ یہ سن کر نہایت مسرور ہوئے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

ای عائشه الم تری ان مجزز المدلجی قال ان هذه الاقدام بعضها من بعض

اے عائشہؓ! کیا تو نے نہیں دیکھا مجزز مدلجی نے کہا ہے کہ قوم بعض بعض سے ہیں" (مشکوۃ باب اللعان فصل اول جلد ۲ صفحہ ۲۸۷)

اس طرح رسول ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

اشعرت يا عائشه ان الله افتانی فيما استفتيته

اے عائشہؓ! کیا تو نے جانا کہ جس بارے میں اللہ تعالیٰ سے میں نے فتویٰ طلب کیا تھا اللہ نے مجھے وہ (فتویٰ) دے دیا (مشکوۃ باب فی المعجزات فصل اول جلد ۲ صفحہ ۵۴۴)

واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ بیمار ہو گئے۔ بیماری کا پتہ نہ چلتا تھا آپؐ نے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیج کر سب کچھ بتا دیا کہ بیماری جادو ہے اور جادو کرنیوالا "لبید بن اعصم" یہودی ہے (یہ جادو) کنگھی، بالوں اور کھجور کے خوشہ میں کیا ہے اور یہ اشیاء "ذروان" نامی کنویں میں ہیں۔ رسول ﷺ وہاں تشریف گئے اور اس کنویں سے یہ چیزیں نکالیں اور بفضل خدا صحت ہو گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ کلمات محض توجہ دلانے کے لئے ہیں ان (کلمات) سے "علم" پر استدلال کرنا غلط ہے۔ خاص کر حدیث مذکور میں کیونکہ اس کا سیاق وسباق اس کے خلاف ہے چنانچہ بیان ہو چکا ہے نیز اس حوض کوثر والی حدیث کی کئی "سندیں" ہیں۔ کسی میں بھی "اشعرت" کا

ابراہیم علیہ السلام اور علم غیب: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے (ان کے) بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی طلب کی اور ''ذبح'' کا حکم دیا تو باپ بیٹا دونوں کو یہ خبر نہ تھی کہ اسماعیل علیہ السلام ذبح نہیں ہوں گے اور ان کی جگہ ''دنبہ'' ذبح ہوگا۔

اگر باپ بیٹے کو اس کا علم ہوتا تو پھر یہ آزمائش نہیں بنتی حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ان هذا لهو البلاء المبين﴾ یعنی یہ کھلی آزمائش ہے۔ (الصافات:۱۰۶)

یوسف علیہ السلام اور علم غیب: قرآن مجید میں موجود ہے کہ کس طرح بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو مکر و فریب کے ساتھ (اپنے والد) یعقوب علیہ السلام سے جدا کیا۔ ''کنعان'' کے کنویں میں ڈالا کنویں سے نکلے تو مصر میں فروخت کر دیے گئے لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کو کوئی علم نہیں۔ چالیس برس بعد جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا تو مصر سے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آگئی۔ یہ کیسی صاف دلیل ہے کہ انبیاء علیہ السلام کو اتنا ہی معلوم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ''وحی'' فرمائی۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ نمبر ۱۳) لفظ نہیں صرف مسلم شریف کی ایک ''سند'' میں ہے باقی سب میں ''علم'' کی صاف نفی ہے چنانچہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ فرشتے مجھے کہیں گے۔

انك لاتدری ما احدثوا بعدك.

بے شک آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا بدعات جاری کیں؟ پس ''اما شعرت'' کا معنی وہی کرنا چاہیے جو دوسری روایتوں کے مخالف نہ ہو اور اسی صورت میں ہے کہ ''اما شعرت'' کا مقصد توجہ دلانا ہو۔

اگر کہا جائے کہ ''انک لاتدری'' میں بھی ''ہمزہ'' محذوف مانا جا سکتا ہے یعنی ''لاتدری'' اصل میں ''الا تدری'' تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''عربیت'' کے خلاف ہے کیونکہ جملہ ''لاتدری'' ''ان'' کی خبر ہے اور ''خبر'' جملہ خبریہ ہوتا ہے نہ انشائیہ ☆

موسیٰ علیہ السلام اور علم غیب: موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد بنی اسرائیل نے ''بچھڑے'' کی پوجا شروع کر دی۔ ہارون علیہ السلام نے ہر چند ان کو منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو ہارون علیہ السلام کا سر اور داڑھی پکڑ کھینچنے لگے یعنی یہ پتہ نہ لگا کہ ہارون علیہ السلام بے قصور ہیں۔

خضر علیہ السلام اور علم غیب: موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا سارا قصہ ''علم غیب'' کی نفی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا ''علم'' خضر علیہ السلام نہیں جانتے تے اور خضر علیہ السلام کا ''علم'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں جانتے تھے۔ بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا:

یا موسیٰ انی علی علم من علم اللہ علمنیہ لا تعلمہ انت و انت علی علم من علم اللہ علمکہ اللہ لا اعلمہ(بخاری جلد ۱ ص ۴۸۲)

اس واقعہ میں یہ ذکر ہے کہ ایک چڑیا نے کشتی کے کنارے بیٹھ کر ایک چونچ پانی کی بھری خضر علیہ السلام نے فرمایا ''اے موسیٰ! ہم دونوں کا ''علم'' اللہ کے ''علم'' کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں جتنا دریا سے چڑیا نے پانی پی لیا ہے'' قرآن مجید پارہ ۱۵۔۱۶ مع تفسیر ابن کثیر جلد سوئم)

داؤد علیہ السلام اور علم غیب: قرآن مجید میں ہے کہ ایک کھیت میں بکریاں چر گئیں۔ اس کا مقدمہ داؤد علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہوا لیکن انہوں نے غلط فیصلہ کیا اور سلیمان علیہ السلام نے صحیح فیصلہ کیا۔

سلیمان علیہ السلام اور علم غیب: سلیمان علیہ السلام کو ہدہد پرندے کا پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ **مالی لا اری الھد ھدام کان من الغائبین (النمل: ۲۰)**

نیز بلقیس کی حکومت کا پتہ نہ چلا ہد ہد نے بتایا۔ ﴿احطت بمالم تحط به﴾

چیونٹی کا قول: بڑی چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا۔

﴿لا یحطمنکم سلیمان وجنوده وهم لا یشعرون﴾ (النمل)

یعنی ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ کی فوجیں بے خبری میں تمہیں روند ڈالیں۔

سلیمان علیہ السلام کا ایک اور واقعہ: سلیمان علیہ السلام نے قسم کھائی کہ میں سو ۱۰۰ بیوی کے پاس جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے شاہ سوار پیدا کرے گا جو اس کی راہ میں جہاد کرے گا مگر ایک بھی پیدا نہ ہوا۔ کیونکہ انشاء اللہ کہنا بھول گئے تھے۔

(تفسیر ابن کثیر آیہ کریمہ ﴿ولا تقولن لشیئ انی فاعل ذلك غدا﴾ (الکہف:۲۳)

سورہ ''نور'' پارہ ۱۸ میں عائشہ صدیقہؓ کا واقعہ مذکور ہے ''احادیث'' میں بھی تفصیلاً آیا ہے۔ حقیقت اصلیہ کا ''علم'' نہ رسول اللہ ﷺ کو ہوا نہ صحابہ کرامؓ کو ہوا۔ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ کہ میں خود کو اس قابل نہ سمجھتی تھی کہ میرے حق میں آسمان سے ''آیت'' نازل ہوگی۔ مجھے اپنی سچائی کی بنا پر زیادہ سے زیادہ یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو بذریعہ خواب میری ''بریت'' کی اطلاع دیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اس قدر نوازا کہ میری صفائی قرآن مجید میں نازل فرمائی جو قیامت تک باقی ہے۔ یہ واقعہ کیسا ہی صاف ہے کہ انبیاء علیہ السلام کو ''علم غیب'' نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے بذریعہ ''وحی'' کسی بات کا پتہ دیتا ہے۔ اس قسم کی کئی آیات ہیں جن سے بعض کا ذکر آگے بھی آتا ہے۔ اور اس قسم کی احادیث بھی بہت ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور علم غیب: حدیث ہے کہ رسول ﷺ نماز میں بھول گئے تو فرمایا'' میں تمھاری طرح بشر ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں، میں

جب بھول جاؤں تو مجھے یاد کرادیا کرو۔'' (مشکوۃ باب السجود فی السھو)

اسی طرح عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ بشروں میں سے ایک ''بشر'' تھے۔ آپ اپنے کپڑے خود صاف کرتے، بکری کا دودھ نکالتے، اپنی حجامت خود اپنے ہاتھ سے بناتے۔ (اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''جوتا گانٹھ لیتے، کپڑے خود سی لیتے اور تمھاری طرح اپنا کام خود کرتے۔'' (مشکوۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ فصل ۳)

اسی طرح وضو کے بیان میں ایک حدیث ہے۔ کہ صحابہؓ نے رسول ﷺ سے پوچھا کہ ''قیامت کے دن ''دیگر'' امتوں کے درمیان میں آپؐ اپنی امت کو کس طرح پہچانیں گے؟ آپ نے فرمایا، اگر کسی شخص کے پاس سیاہ گھوڑوں کے درمیان سفید ہاتھ اور پاؤں کے گھوڑے ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑے کو نہیں پہچانے گا؟ صحابہ نے کہا، کیوں نہیں؟ آپؐ نے فرمایا، میری امت کہ ہاتھ پاؤں وضو کی وجہ سے چمکیں گے میں اس سے پہچان لوں گا کہ یہ میری امت ہے (مشکوۃ باب الطہارۃ فصل ۳)

گویا ''علم غیب'' سے نہیں ہماری طرح نشانیوں سے پہچانیں گے۔

حدیث پاک میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے انصار کو کھجور کا پیوند کرنے سے روک دیا۔ اور فرمایا'' پیوند نہ کرو تو امید ہے یہ بہتر ہوگا'' انصار نے ''پیوند'' کرنا ختم کردیا، پھل کم ہوگیا۔ تو رسول ﷺ نے فرمایا جب میں ''دین'' کی بات کا حکم دوں تو اس کو لے لو اور جب میں ''رائے'' سے حکم دوں تو میں ''بشر'' ہوں۔ ''یعنی ضروری نہیں کہ وہ ''رائے'' صحیح ہی ہو بلکہ غلط بھی ہوسکتی ہے۔ (مشکوۃ باب الاعتصام)

اسی طرح حدیث پاک میں ہے، رسول ﷺ نے فرماتے ہیں: مجھے شفاعت کا ''اذن'' دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ مجھے ایسی تعریفیں ''الہام'' کریں گے مجھے جواب نہیں آئیں پس ان تعریفوں کے ساتھ میں اللہ کی تعریف کرونگا اور سجدہ میں گر جاؤں گا۔

اس حدیث سے بھی صاف واضح ہے کہ رسول ﷺ کو صرف اتنا ہی ''علم'' ہے جتنا ''اللہ'' الہام کریں یہاں تک کہ قیامت کے دن کا بھی ''علم'' (نہیں بلکہ) ''وحی'' کے ذریعہ ہے اور وہ بھی جتنا کہ انہیں عطا ہوا ہے۔

اس کے علاوہ صحابہ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ رسول ﷺ بھول جاتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب انسان کے علم میں ایک بات ہو اور وہ بھول جاتا ہو تو پھر پہلے ہی سے کسی بات کا ''علم'' نہ ہونا تو اس کے مقابلے میں معمولی بات ہے۔ پھر اللہ جانے بریلوی حضرات کو کیوں اس بات پر اصرار ہے کہ رسول ﷺ کو ہر شئے کا ''علم'' تھا شاید انہیں اس حدیث سے دھوکا لگا ہو کہ رسول ﷺ فرماتے ہیں:

میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اللہ نے میرے کندھوں کے درمیان اپنی ہتھیلی رکھی جس سے میرے لیئے ہر شئے روشن ہوگئی۔

فتجلی لی کل شئی (مشکوۃ باب المساجد فصل ۳ ص ۶۵، ۶۶)

حالانکہ یہ ''کل'' ایسا ہے جیسے قرآن مجید میں ''بلقیس'' کے قصہ میں ہے واوتیت من کل شئی بلقیس کو ہر چیز دی گئی یعنی اس وقت کی ضرورت کے موافق ہر چیز دے دی گئی۔ ایسے ہی مشکوۃ کی حدیث میں سمجھ لیں اور ''مرقاۃ'' شرح مشکوۃ وغیرہ میں بھی یہی معنی کیئے ہیں کہ اس وقت جن چیزوں کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے سامنے کر دیں کیونکہ اس وقت مسائل وغیرہ میں گفتگو ہو رہی تھی، چنانچہ اس حدیث میں بیان ہے اور یہی معنی مذکور بالا آیتوں اور حدیثوں کے موافق ہیں کیونکہ ان سے کلی ''علم غیب'' کی نفی ہوتی ہے ان کے علاوہ بھی آیات اور احادیث بہت ہیں۔

مسئلہ علم غیب از کتب فقہ حنفیہ

کتب فقہ حنفیہ میں اس سے بھی بڑھ کر لکھا ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے:

دلیل اوّل: حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ ''استسقاء'' یعنی بارش کی دعا کے لیئے باہر تشریف لے گئے تو جو چادر آپؐ (اپنے) کندھوں پر اوڑھے ہوئے تھے قبلہ رخ ہو کر اس کو پلٹ لیا اس کی دائیں طرف اپنی بائیں طرف اور اس کی بائیں طرف اپنی ''دائیں'' طرف پھیر لی۔ آپؐ کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے بھی ایسا ہی کیا مقصد اس کا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہماری موجودہ حالت پلٹ دے اور قحط سالی دور فرمائے۔

فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں لکھا ہے کہ صرف ''امام'' چادر پھیرے ''مقتدی'' نہ پھیریں

مشہور حنفی امام ابن الہمام جن کی بابت فقہ حنفی کی بہت بڑی کتاب ''شامی'' جلد چہارم صفحہ ۳۸۸ میں لکھا ہے کہ ''ابن الہمام مرتبہ اجتہاد کو پہنچ گئے۔''

اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

صحابہؓ کرام نے یہ کام اپنے آپ کیا ہے۔ نبی ﷺ کو اس کا ''علم'' نہیں ہوا کیونکہ آپؐ نے قبلہ رخ ہو کر چادر پھیری تھی۔ صحابہ کرامؓ کی طرف نبی ﷺ کی پیٹھ تھی اور صحابہ کرامؓ کا ''فعل'' خواہ نبی ﷺ کی معیت میں ہو، کوئی شرعی دلیل نہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ جلد اول صفحہ ۴۴۱ طبع مصر)

غور فرمائیے: فقہ حنفیہ کا تو یہ فیصلہ ہے کہ نبی ﷺ صحابہؓ کرام کے درمیان (موجود) ہوں تو بھی صحابہؓ کے فعل کا آپ کو ''علم'' نہیں مگر بریلوی حضرات باوجود ''حنفی'' کہلانے کے فقہ حنفیہ کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔

دلیل دوم: حدیث میں ہے کہ مسجد نبویؐ کے بعد پہلا جمعہ ''جواثی'' میں پڑھا گیا جو بحرین

شہر کے علاقہ میں ایک قریہ ہے اس سے گاؤں میں ''جمعہ'' پڑھنا ثابت ہے۔ ''حنفیہ'' اس کا ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ رسول ﷺ کو اس ''جمعہ'' کا ''علم'' نہیں ہوا۔

دلیل سوم: حنفیہ کہتے ہیں کہ نابالغ لڑکے کی امامت صحیح نہیں لیکن حدیث میں ہے کہ عمرو بن سلمہؓ زمانہ نبویؐ میں اپنی قوم کی ''امامت'' کراتے تھے۔ حالانکہ ان کی عمر اس وقت تقریباً سات برس تھی۔ حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کو اس کا ''علم نہ تھا۔

اس قسم کے مسائل فقہ حنفیہ میں بہت ہیں جن میں رسول ﷺ کے ''علم غیب'' کی نفی کی گئی ہے۔ مگر حیرت ہے کہ بریلوی حضرات اپنی فقہ بھی نہیں مانتے۔

قدرت مطلق

دوسری چیز خدائی اختیارات ہیں جن کا دوسرا نام ''قدرت مطلق'' ہے۔

بریلوی حضرات کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بزگوں کو ہر چیز پر ''قدرت'' دے دی ہے اور اپنے اختیارات ان کے حوالے کر دیے ہیں۔ وہ اس کی دلیل میں معجزات اور کرامات پیش کر دیتے ہیں مثلاً

۱۔ نبی ﷺ کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

۲۔ تھوڑا سا کھانا سینکڑوں کے لیئے کافی ہو گیا۔

۳۔ ایک قطرہ پانی سے پوری فوج کو سیراب کر دیا۔

۴۔ خطبہ جمعہ فرماتے وقت بارش کی دعا فرمائی تو فوراً بارش شروع ہو گئی جو ہفتہ بھر ہوتی رہی دوسرے جمعہ کو بندش کے لیئے دعا فرمائی تو فوراً بادل چھٹ گیا اور دھوپ نکل آئی۔

۵۔ ایک شخص کو جنگ کے موقعہ پر چھڑی دی وہ تلوار بن گئی۔

۶۔ جنگ بدر اور جنگ حنین میں مٹھی بھر کنکر پھینکے جو کفار کی آنکھوں میں پڑ گئے۔ وغیرہ وغیرہ

بریلوی حضرات کی پہلی غفلت: اس موقع پر بھی بریلوی حضرات دو باتوں سے غافل ہو جاتے ہیں ایک یہ کہ معجزہ اور کرامت خرق عادت ہے اور خرق عادت وہ چیز ہے جو عام نہیں ہوتی بلکہ کسی خاص موقع پر، خاص ضرورت کے تحت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ جب اور جیسے چاہتا ہے۔ کسی ''نبی'' یا ''ولی'' کے ہاتھ پر ظاہر کر دیتا ہے۔

بیشک ہے کہ ایک موقع پر نبی ﷺ کے معجزہ سے تھوڑے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سینکڑوں نے پیٹ بھر کر کھایا مگر یہ چیز عام نہ تھی بلکہ آپؐ کی زندگی میں (کئی کئی دن) فاقہ کشی ہوتی رہی، پیٹ پر پتھر باندھے گئے گھاس اور درختوں کے پتے بھی

کھائے گئے۔خود رسول اکرم ﷺ نے بوجہ فاقہ کشی اپنے شکم مبارک پر دو دو پتھر باندھے۔

بریلوی حضرات کی دوسری غفلت : دوسری غفلت بریلویوں کی یہ ہے کہ تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھتے ہیں دوسرا نہیں دیکھتے ''جنگ بدر'' اور ''جنگ حنین'' میں تو نبی اکرم ﷺ کی مٹھی بھر کنکریاں بحکم الٰہی کام کر گئیں۔ ''جنگ احد'' میں آپؐ خود زخمی ہوئے۔ سر مبارک پر چوٹ آئی ''خود'' کی دو کڑیاں رخسار اقدس میں دھنس گئیں۔ دانت مبارک شہید ہوئے آپؐ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حدیث پاک میں ہے جب رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک زخمی ہوا تو آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے۔ **کیف یفلح قوم شجوا نبیھم**

''وہ قوم کس طرح نجات پائے گی جس نے اپنے نبیؐ کے سر کو زخمی کر دیا۔''

(تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۰۳، بخاری مع فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۹۲ باب غزوہ احد و کتاب التفسیر جلد ۸ صفحہ ۱۸۲)

اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تنبیہ کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔

لیس لک من الامر شئی او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون

''(اے نبیؐ!) تیرا کوئی اختیار نہیں یا وہ ان کی توبہ قبول کرے یا وہ ان کو عذاب دے پس بے شک وہ ظالم ہیں'' (آل عمران:۱۲۸)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں قنوت پڑھتے تو چار آدمیوں (حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عمرو بن العاص) کا نام لے کر ان پر لعنت کرتے اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

گویا نبی ﷺ کو ''علم'' نہیں تھا یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔

غور کیجئے جنگ احد کا واقعہ کس قدر سبق آموز ہے لیکن بریلوی حضرات اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ واقعات سے بے خبر ہیں۔ تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھتے ہیں۔ دوسری طرف کا ان کو "علم" نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو تنبیہ: اس کے علاوہ نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتومؓ کے بارے میں نبی ﷺ کو سخت تنبیہ ہوئی جس کا ذکر پارہ ۳۰ سورہ عبس کے شروع میں ہے کہ نبی ﷺ نے تیور بدلے اور نابینے سے منہ پھیرا "اے نبیؐ! آپ کو کیا معلوم کہ وہ نابینا نصیحت پکڑتا پس نصیحت اس کو فائدہ دیتی اے پیغمبر! آپؐ دنیا داروں کے ساتھ مشغول ہیں اور جو دوڑتا ہوا، اللہ سے ڈرتا ہوا آپ کے پاس آیا آپؐ اس سے غافل ہیں خبردار ایسا نہ کرنا۔

تحریم شہد: اس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنے اوپر شہد حرام کر دیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تنبیہ ہوئی چنانچہ سورہ تحریم کے شروع میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اے نبی ﷺ! کیا آپؐ بیویوں کی رضامندی کے لئے حلال کو حرام ٹھہراتے ہیں۔"

سورۃ الانعام کی آیت میں اس سے بڑھ کر سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

نبی ﷺ کو خیال ہوا کہ کفار کو ان کے حسب منشاء معجزہ دکھا دیا جائے تو شائد وہ مسلمان ہو جائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے حق میں جو الفاظ استعمال فرمائے ان سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"وان كان كبر عليك اعراضهم فان استطعت ان تبتغي نفقاً في الارض او سلماً في السماء فتاتيهم بآية ولو شاء الله لجمعهم على الهدى فلاتكونن من الجاهلين"

''اے نبیؐ! اگر کفار کا منہ پھیرنا آپ کو برا معلوم ہوتا ہے تو اگر آپ طاقت رکھتے ہیں کہ زمین میں کوئی سوراخ ڈھونڈ کر یا آسمان میں سیڑھی لگا کر کوئی نشانی لے آئیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ساری دنیا کو ہدایت پر جمع کر دیتا پس آپ ناداں نہ بنیں۔'' (الانعام پ ۷: ۳۵)

---

(۱) وضاحت، مسئلہ توحید کی عظمت: مسئلہ ''توحید'' کی ایک اور طرح سے وضاحت قرآن مجید میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین ''اور تمہارے رب نے کہا کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ضرور ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔'' (غافر: ۶۰)

اس آیت میں پہلے دعا کا ذکر ہے پھر اس ''دعا'' کو ''عبادت'' کے لفظ سے ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ سے ''دعا'' مانگنا یا اس کو پکارنا یہ اس کی عبادت ہے۔

اسی طرح چھبویں ۲۶ پارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمہ وھم عن دعاء ھم غافلون واذا حشر الناس کانوا لھم اعداءً و کانوا بعبادتھم کافرین

" اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو ''اللہ'' کو چھوڑ کر ان لوگوں کو پکارے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہیں کر سکتے اور وہ اس کی دعا (پکار) سے غافل ہیں اور جب حشر ہوگا یعنی قیامت قائم ہوگی تو یہ پکارنے والوں کے دشمن ہو نگے اور ان کی عبادت سے انکار کریں گے''

یہاں بھی عبادت کو ''دعا'' کہا گیا ہے اور حدیث میں بھی صاف آیا ہے۔ ترمذی میں ہے۔

(**الدعاء مخ العبادہ**) دعا عبادت کا مغز ہے (اصل) ہے۔

(مشکوٰۃ کتاب الدعوات جلد صفحہ ۱۹۴)

تفاسیر میں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بلاغ المبین (مترجم) صفحہ ۵۹۔۶۰ میں اس بات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور بریلوی حضرات نے بھی اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ (انشاء اللہ)

جب خدا سے ''دعا'' مانگنا خدا کی ''عبادت'' ہوئی تو اب دیکھنا یہ ہے کہ بزرگوں کو پکارنا ان کی ''عبادت'' ہے یا نہیں۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) تنبیہ: یہ بیان اسی بنا پر ہے کہ بزرگوں کو پکارنا ان کی عبادت نہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جیسے خدا کو پکارنا اور اس سے مرادیں مانگنا اس کی عبادت ہے اسی طرح بزرگوں کو پکارنا اور ان سے مرادیں مانگنا ان کی عبادت ہے چنانچہ آیات مذکورہ بالا سے یہ ظاہر ہے۔ اگر یہ ان کی ''عبادت'' ہے تو یہ ''شرک'' ہوا جو ''لا الہ الا اللہ'' کے خلاف ہے اور اگر ''عبادت'' نہیں تو پھر ''عبادت'' والا طریقہ چھوڑ کر ''غیر عبادت'' والا طریقہ اختیار کرنا کون سی عقلمندی ہے؟ اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے ''دعا'' کرنے والے کی کبھی ''دعا'' تو جلدی قبول ہو جاتی ہے اور کبھی مدتوں مانگتا رہتا ہے مگر قبول نہیں ہوتی۔ ایسے ہی بزرگوں سے مانگنے والوں کا حال ہے اگر اللہ مدت تک قبول نہ کرے اور معاملہ ڈھیل میں ڈال دے تو اس میں یہ حکمت ہے کہ ''انسان کی پیدائش کا مقصد حاصل ہو رہا ہے کیونکہ پیدائش کا مقصد ''عبادت'' ہے جب تک مانگتا رہیگا ''عبادت'' ہوتی رہے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی ''عبادت'' کے لیئے پیدا کیا ہے'' (الذاریات:۵۶)

بزرگوں کے دیر سے قبول کرنے میں سوائے تضیع اوقات کے اور کیا نتیجہ نکلا؟ اس کے ساتھ حسب ذیل باتوں کا بھی خیال کرلیں

(۱) بزرگ اتنے مہربان نہیں جتنا کہ ''اللہ'' مہربان ہے۔ اگر رسول ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں تو اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے

(۲) اللہ تعالیٰ کا ''علم'' بڑا وسیع ہے جس طرح دعا مانگنے والے کی اصل ضرورت کو اللہ جانتا ہے بزرگ نہیں جان سکتے کیونکہ بزرگوں کا ''علم'' اللہ کے ''علم'' کو نہیں پہنچ سکتا۔

(۳) اللہ قادر مطلق ہے اس کی قدرت بڑی زبردست ہے بزرگوں کی قدرت اس کے مقابلے میں کالعدم ہے یعنی اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۴) بزرگوں کا ''ارادہ'' ٹل سکتا ہے خدا کا ''ارادہ'' نافذ ہے یعنی اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:۔

اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون

''جب اللہ کسی شیئے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو جا'' پس وہ ہو جاتی ہے۔''

حدیث قدسی میں ہے یا ابن آدم ترید وارید و لا یکون الا ارید اے آدم کے بیٹے! تو بھی ارادہ کرتا ہے اور میں بھی ارادہ کرتا ہوں۔ مگر ہوتا وہی ہے جو میں ارادہ کرتا ہوں یعنی جو اللہ کو منظور ہو وہی ہوتا ہے۔ پھر باوجود ان سب باتوں کے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بزرگوں کو پکارنا کس قدر کوتاہ اندیشی ہے اسی بناء پر کسی بزرگ نے کہا ہے۔

کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے   جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

اس سے بڑھ کر یہ کتنی بڑی جہالت ہے کہ دربار الٰہی کو دنیوی بادشاہوں کے درباروں پر قیاس کیا جاتا ہے یعنی کہا جاتا ہے بڑوں تک رسائی نہیں ہوتی جب تک چھوٹوں کا واسطہ نہ ڈالے حالانکہ بادشاہ نہ عالم الغیب ہیں کہ ان کو ہر شخص کی ضرورت کا پتہ ہو پھر اللہ کو ان کے ساتھ ملانا اللہ کی کتنی توہین ہے۔☆

اس آیت میں ایک تو نبی ﷺ کی طاقت کی نفی کی گئی ہے اور وہ بھی اس رنگ میں کہ اس میں سخت ڈانٹ ہے اور یہ الفاظ کہ "تو نادان نہ بن" اس میں بہت زیادہ سختی ہے۔ اس قسم کی سختی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام پر ہوئی جب انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے طوفان سے نجات کی دعا مانگی۔ پارہ ۱۲ رکوع ۴ میں اس کا بیان ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو ڈانٹ: اگر نبی ﷺ کو یا حضرت نوح علیہ السلام کو "علم غیب" ہوتا تو یہ دونوں پیغمبر ایسا کام کیوں کرتے جس پر اس قسم کی ڈانٹ ہوتی؟

علاوہ ازیں بہت سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام دشمنوں کے ہاتھ شہید ہوئے چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

ویقتلون النبیین بغیر حق ویقتلون الذین یامرون بالقسط من الناس فبشرھم بعذاب الیم.

"جو لوگ نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان (اولیاء اللہ) کو قتل کرتے ہیں جو انصاف کا حکم دیتے ہیں انہیں دردناک عذاب کی خبر دو" (آل عمران:۲۱)

یہود کا زہر دینا: حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو یہود نے زہر دیا آخر اس زہر سے آپ ﷺ نے وفات پائی گویا آپ بھی دشمنوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

خلیفہ ثانی اور علم غیب: حضرت عمرؓ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے مدینہ کے منبر پر علاقہ نہاوند میں اپنی فوج دشمن سے لڑتی ہوئی دیکھی جو شکست کھا رہی تھی اپنی فوج کے امیر "ساریہ" کو حضرت عمرؓ نے یہیں سے آواز دی "یا ساریہ الجبل" اپنی نشست گاہ پہاڑ کو بناؤ یعنی پہاڑ کی طرف پیٹھ کرو اور سامنے لڑو چنانچہ یہ آواز وہاں پہنچ گئی انہوں نے اس پر عمل کیا اور بحکم باری تعالیٰ فتح پائی لیکن یہی حضرت عمرؓ اسی منبر کے قریب نماز فجر پڑھا رہے ہیں اور آپ کا قاتل جو حضرت مغیرہؓ کا عیسائی غلام ابو اللولو اس منبر کے پیچھے چھپا ہوا تھا لیکن حضرت عمر کو پتہ نہیں چلا کہ منبر کے پیچھے دشمن ہے اس سے صاف واضح ہو گیا کہ بزرگوں کو

''علم غیب'' ہے نہ ''اختیار'' ہے اور معجزہ وکرامت ایک وقتی چیز ہے۔ بزرگوں کے عام حالات دوسرے لوگوں کی طرح ہی ہیں ایک مرتبہ اندھیرے میں لیٹے ہوئے ایک شخص پر عمرؓ کا پاؤں آ گیا اس نے کہا ''تو اندھا ہے'' فرمایا ''اندھا تو نہیں غلطی ہوگئی ہے۔''

علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما اور علم غیب: علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خلافت کے فیصلہ کے لیئے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ثالث مان لیا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ثالث مقرر ہوئے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ ہم علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کردیں اور پھر نئے سرے سے انتخاب ہو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یہ تجویز پسند آئی انہوں نے منبر پر کھڑے ہوکر علیؓ کو معزول کردیا اس کے بعد عمرو بن العاصؓ منبر چڑھے اور کہا ''علیؓ'' معزول ہو چکے ہیں اب ایک ہی امیر رہ گیا اور جھگڑا ختم ہوگیا ہے۔ اس کو معزول کرنے کی ضرورت نہیں پس معاویہؓ بدستور امیر رہے۔ علیؓ کو اس بات کا بڑا صدمہ ہوا اور فرمایا ''کیا معاویہؓ مجھ پر حکومت کرے گا؟ چند روز بعد عبدالرحمان بن ملجم خارجی کے ہاتھ شہید ہوگئے۔ نہ ''علم غیب'' کا نشان معلوم ہوا نہ مشکل کشائی کام آئی مگر بریلوی حضرات پھر بھی علیؓ کو مشکل کشا'' ہی کہتے ہیں۔

حسن وحسین رضی اللہ عنہما اور علم غیب: پھر کوئی نہیں سوچتا کہ امام حسنؓ کو ''زہر'' دیا گیا اور امام حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلا میں شہید کردیئے گئے وہاں بھی تو علیؓ کی ''مشکل کشائی'' کام آئی اور نہ حسنؓ اور حسینؓ اپنا یا کسی دوسرے کا کچھ بنا سکے۔ مگر بریلوی حضرات ہیں کہ ''پنجتن'' ہی کو ''مختار کل'' سمجھ رہے ہیں اس باطل عقیدے کا اللہ ہی علاج کرے۔ دلائل کی تو کوئی کمی نہیں۔ دلائل بارش کی طرح برس رہے ہیں اور سورج سے زیادہ روشنی دے رہے ہیں اللہ ان پر اپنا خاص فضل اور رحم کرے تو ہدایت ہوسکتی ہے۔

''اذن''

تیسری چیز:۔اذن ہے فرض کرو کہ بزرگوں کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس قدرت کے استعمال میں بزرگ آزاد ہیں؟ یا ان کو خدا سے اذن لینا پڑتا ہے۔قرآن مجید میں ہے۔**من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ**، پ ۳ سورہ بقرہ آیت ۲۵۵، خدا کے اذن کے بغیر کون شفاعت کرسکتا ہے۔ حدیث میں بھی ہے رسول ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے دن جب شفاعت کا موقع ہوگا تو میں سجدہ میں گر جاؤں گا اور اذن طلب کروں گا اور بعد اذن شفاعت کروں گا۔مشکوۃ،

جب شفاعت تک ''بلا اذن'' نہیں ہوسکتی تو قدرت کا استعمال بغیر اذن کیسے ہوگا؟

خلل پیدا ہوگا: اس کے علاوہ اس سے نظام میں بھی خلل پیدا ہوتا ہے۔مثلاً بزرگ ایک کام چاہے اور خدا تعالیٰ نہ چاہے جسے رسول اللہ ﷺ اپنے چچا ابوطالب کی ہدایت چاہتے تھے مگر اللہ کی منشاء نہ تھی اس طرح نبی کا خیال تھا، کفار کو منہ مانگا معجزہ دکھایا جائے مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ تھی تو اس پر خدا تعالیٰ نے تنبیہ کی چنانچہ پیچھے گزر چکا ہے۔اگر بزرگ بغیر ''اذن'' اپنی قدرت استعمال کریں تو پھر کہیں بزرگوں کا آپس میں تصادم ہوگا اور کہیں بزرگوں کا خدا سے اور اس سے خطرہ ہے کہ آسمان اور زمین گر جائیں۔قرآن مجید میں ہے۔

﴿**لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا**﴾ پ ۱۷ سورہ الانبیاء آیت ۲۲

''اگر آسمان و زمین میں کئی الہ ہوتے تو آسمان اور زمیں برباد ہو جاتے۔''

پس اگر بزرگوں کو قدرت ہو تو یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی قدرت کا استعمال اذن الٰہی سے کریں اور یہ وہ چیزیں ہیں جس کو دنیا کی غیر قومیں بھی سمجھتی ہیں چنانچہ قرآن میں 'صنف نازک'' کی حکومت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿یا ایھا الملاء افتونی فی امری ما کنت قاطعة امرا حتی تشھدون قالوا نحن اولوا قوة واولوا باس شدید والامر الیك فانظری ماذا تامرون﴾ (پ ۱۹ سورہ نمل آیت ۳۲.۳۳)

بلقیس شہزادی کو جب سلیمان علیہ السلام کا مکتوب ملا کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مسلمان ہوکر میرے پاس آجاؤ تو بلقیس نے اپنے سرداروں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا وہ بولے ہم سب قوت میں ہیں اور سخت لڑاکے بھی معاملہ تیرے سپرد ہے تو خود سوچ سمجھ لے کہ کیا حکم دیتی ہے۔

دوم: یہ واقعہ کے خلاف ہے اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ انبیاء علیہم السلام کی ''دعا'' بھی رد کر دیتے ہیں حتیٰ کہ کئی دفعہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعا قبول نہیں ہوتی تو پھر دوسرے بزرگوں کی کیا چل سکتی ہے؟

قابل توجہ بات: یہاں ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ بریلوی حضرات کو یہ غلطی لگی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی دینوی ضرورت کے لیئے نبیؐ سے دعا کی درخواست کرتا تھا تو آپؐ اس کو ٹالنے کی کوشش فرماتے یا اس کو دوسرے رنگ میں بدل دیتے جس سے دینی مفاد ہوتا۔

ثعلبہ کا واقعہ مشہور ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ توبہ میں ہے اس نے ''فراخی رزق'' کے لیئے نبیؐ سے دعا کرانی چاہی آپؐ نے اسے روکا آخر کار اس کے اصرار پر دعا فرمائی۔ اس کا مال بہت ہو گیا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کافر ہو کر مرا۔

دعا کے لیئے درخواست: حدیث پاک میں ہے کہ ایک مرگی کی بیمار عورت نے نبی ﷺ سے دعا کی درخواست کی آپؐ نے فرمایا، اگر تو صبر کرے تو تیرے لیئے جنت ہے۔ اس نے کہا ''میں صبر کروں گی'' کیوں کہ اس کا تعلق دین سے تھا اس کے بعد وہ بے ہوشی میں کبھی بے ستر نہ ہوئی تھی۔ (مشکوۃ باب جامع الدعوات)

اسی طرح حدیث پاک میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک نابینا شخص حاضر ہوا اس نے بینائی کے لیئے دعا کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا، اگر تو چاہے تو میں دعا کروں اور اگر تو صبر کرے تو یہ تیرے لیئے بہتر ہے۔ اس نے کہا "دعا کیجئے" آپؐ نے فرمایا، اچھی طرح وضو کر کے پہلے یہ دعا کر "یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے شفقت و رحمت والے نبیؐ کو تیری طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اے نبیؐ! میں تجھے اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہوں تا کہ میری یہ حاجت پوری کی جائے، یا اللہ! نبی ﷺ کی سفارش میرے لیئے قبول فرما۔"

اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے براہ راست دعا نہیں فرمائی بلکہ اس کو دعا سکھائی جس میں چار چیزیں ہیں۔

اوّل: یہ کہ یا اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں یہ تو نابینے کی براہ راست دعا ہوئی۔

دوئم: یہ کہ یا اللہ! میں تیری طرف تیرے نبیؐ کو متوجہ کرتا ہوں اس پر شبہ ہوتا ہے کہ ایسا کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔" جب نبیؐ نے دعا کرنا منظور فرمائی تو خود ہی متوجہ ہوئے۔"

سوئم: یہ کہ نبیؐ! میں تجھے اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ یہ بات دوسری بات سے بھی عجیب ہے جب نبی ﷺ نے دعا کی درخواست منظور فرمائی تو پھر اللہ کے سامنے دعا کے وقت اس کو لوٹانے کی کیا ضرورت تھی؟

چہارم: یہ کہ یا اللہ! نبی ﷺ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔ یہ چیز پہلی چیزوں سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ کیا نبی ﷺ کی سفارش اتنی کمزور ہے کہ اس کی قبولیت کے لیئے سفارش طلب کرنے والے کی دعا کی ضرورت ہے؟ اس سے تو یہی بہتر کہ وہ براہ راست دعا کرے۔

سفارش کرنیوالے کی توھین ہے: کیونکہ یہ بڑی معیوب بات ہے کہ کسی کو سفارشی بنائیں اور جس کے پاس سفارش کرائی ہے اس کو جا کر کہیں کہ فلاں شخص کو ہم نے تمہارے

پاس سفارشی بنا کر بھیجا ہے اس کی سفارش میرے حق میں منظور کر لینا، کہیں رد نہ کر دینا۔ خیال فرمائیے! کہ یہ سفارش کرانا ہے یا اس کی توہین؟ خصوصاً نبی تو مستجاب الدعوات ہوتا ہے، اس کی دعا کی قبولیت ایک امتی کی محتاج ہو۔[1]

---

(۱) وضاحت بریلوی حضرات ''فن حدیث'' میں اتنے کمزور ہیں کہ جھوٹی حدیثوں میں بھی فرق نہیں کرتے اس لیئے رسول اللہ ﷺ کی شان میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں:

وماخلقت الا فلاك وما خلقت الدنيا

(اے پیغمبر!) اگر آپ نہ ہوتے تو میں نہ آسمان پیدا کرتا اور نہ دنیا

حالانکہ یہ حدیث نہیں۔ ملا علی قاری حنفی الموضوعات الکبیر میں لکھتے ہیں ''یہ حدیث'' تو نہیں لیکن اس کلام کا مطلب صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب دوسری روایت سے بیان کرتے ہیں:

لولاك ما خلقت الجنة والنار (اے پیغمبر!) اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت اور دوزخ نہ بناتا''

جنت دوزخ چونکہ نیکی اور بدی کا نتیجہ ہیں نیکی اور بدی کا پتہ شرع سے لگتا ہے جس کے پہنچانے والے انبیاء علیہم السلام ہیں اس لیئے فرمایا کہ سلسلہ نبوت نہ ہوتا تو جنت دوزخ نہ ہوتے اور دنیا چونکہ دارالعمل ہے یعنی اس میں نیکی بدی ہوتی ہے،

اس لیئے دوسری روایت میں فرمایا کہ دنیا کو پیدا نہ کرتا اور افلاک یعنی آسمانوں سے مراد ی دنیا ہے پس ملا علی قاری حنفی کا یہ کہنا کہ مطلب اس کا صحیح ہے اور درست ہے لیکن صاحب رسالہ اس مطلب کو صحیح نہیں مانتے چنانچہ صاحب رسالہ نے لولاك لما خلقت الافلاك کے بعد یہ روایت ذکر کی ہے: لقد خلقت الدنيا واهلها لاعرفهم كرامتك ومنزلتك عندي،

''بے شک میں نے دنیا کو اور اہل دنیا کو اس واسطے پیدا کیا کہ جو قدر و منزلت، تیری عظمت و عزت میرے نزدیک ہے، میں ان پر ظاہر کر سکوں۔

گویا بریلوی حضرات کا مطلب یہ ہے کہ دنیا محمد ﷺ کی خاطر پیدا ہوئی ہے مگر یہ یاد رہے کہ یہ روایت محض جھوٹ اور بہتان ہے حدیث کی کسی کتاب میں اس کا نام و نشان نہیں۔ اور نہ ہی اس کا کوئی حوالہ دیا ہے پھر یہ صریح قرآن مجید کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وما خلقت الجن والانس الاليعبدون.

''میں نے جن اور انسانوں کے محض اپنی عبادت کرنے کے لیئے پیدا کیا ہے (الذاریات:۵۶)

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) قارئین کرام! خیال فرمائیں کہ یہ بزرگوں کی شان بیان ہو رہی ہے یا ان کی توہین ہو رہی ہے۔ اس سے بڑی توہین کیا ہوگی کہ قرآن مجید کے صریحا خلاف جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر سید الانبیاء ﷺ کے ذمہ لگائی جا رہی ہیں جس کا مطلب دو لفظوں میں یہ ہوا کہ معاذ اللہ (خاک بدہنم) خود رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کو جھٹلاتے تھے ابھی اور سنیئے! صاحب رسالہ اسی صفحہ پر ایک روایت لکھتے ہیں: "**اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری**" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے ولی میرے چوغہ کے نیچے ہیں میرے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا یہاں تو بریلوی حضرات نے اپنی عقل کو طاق میں رکھ دیا ہے۔ ایک تو جھوٹی حدیث ذکر کی ہے دوسرے اپنی مذہب کا صفایا کر دیا۔ ایک "علم غیب" کا مسئلہ صاف ہوگیا کیوں کہ جب اللہ کہتا ہے کہ میرے سوا ان بزرگوں کو کوئی نہیں جانتا تو "علم غیب" کہاں رہا؟ دوسرے استمداد کا مسئلہ صاف ہوگیا کیونکہ اللہ کے سوا جب انکو کوئی پہچانتا ہی نہیں تو "استمداد" کیسے ہوئی؟ انہی دو مسئلوں پر اس کتاب میں بحث تھی، سو یہ دونوں صاف ہو گئے، **فالحمد اللّٰہ علی ذلك**۔

تنبیہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: **اولیاء اللّٰہ الذین اذا رؤا ذکر اللّٰہ**۔ اولیاء اللہ وہ ہیں جن کے دیکھنے سے "اللہ" یاد آ جاتا ہے اس کو حکیم اور ترمذی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے امام سیوطیؒ نے پوری روایت درج کر کے آخر میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر بریلوی حضرات کے لیئے اچھی نہیں مگر قابل غور بات یہ ہے کہ اس میں "ولی" کی پہچان یہ بتلائی ہے کہ اس کو دیکھنے سے اللہ یاد آ جاتا ہے، پس یہ کہنا کہ "ولی" کو اللہ کے سوا کوئی نہیں پہچانتا غلط ہوگیا اور ساتھ ہی "توحید" کا سبق بھی مل گیا کہ جب "ولی" کو دیکھنے سے اللہ یاد آتا ہے تو اللہ ہی کو پکارے اللہ کو چھوڑ کر ولی کو پکارنے کے کیا معنی؟ زبان مبارک سے تو نبی اور "ولی" دعوت توحید دیتے ہی ہیں ان کا "حال" بھی یہی دعوت دے رہا ہے مگر بریلوی حضرات نہ "حال" سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ "قال" سے اناللہ۔

یہی داستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر اب آب حیواں تشنہ آورد سکندر را

دوسری چیز یہ ہے کہ بندہ جب مخلص ہو جاتا ہے تو اس کو بندگی میں لذت آتی ہے اور یہ اس کے لیئے روحانی غذا بن جاتی ہے کھانے پینے اور دیگر خواہشات میں اس کو وہ آرام نہیں ملتا جو "بندگی" میں ملتا ہے مساجد میں عام طور پر یہ حدیث لکھی ہوتی ہے:

المومن فی المسجد کالسمك فی الماء والمنافق فی المسجد کالطیر فی القفس.

"مومن مسجد میں ایسا ہے جیسے مچھلی پانی میں اور منافق مسجد میں ایسا ہے جیسے پرندہ پنجرے میں" حدیث پاک میں ہے

(حاشیہ صفحہ پیوستہ) کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی حادثہ پیش آتا تو بلالؓ کو فرماتے "ارحنا یا بلال بالصلوۃ" ای بلال! ہمیں اقامت نماز سے آرام پہنچا۔ (مشکوۃ باب الفقر صفحہ ۴۴۹)

نیز حدیث میں ہے **جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ** یعنی نماز میں میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

نیز آپ فرماتے ہیں:

☆ ''نماز مومن کی معراج ہے۔''

☆ اور نمازی خدا سے مناجات کرتا ہے۔

☆ اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں ہے **اسئلك الشوق الی لقائك** 'میں تیری ملاقات کو شوق مانگتا ہوں اور تیرے دیدار کی لذت کا سوال کرتا ہوں۔

☆ اور جنتیوں کو جب اللہ کا دیدار ہوگا تو وہ جنت کی ساری نعمتیں بھول جائیں گے اور انہیں عیش وعشرت کی کوئی چیز یاد نہیں رہے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک بندہ بندگی میں جتنی ترقی کرتا ہے اتنا ہی خدا کا قرب اسے زیادہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اوپر حدیث قدسی میں گزر چکا ہے جس کا نتیجہ وصال محبوب ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے وہ کبھی آپ کی ہمسری کا تصور دل میں نہیں لاسکتا آپ کی غلامی کو بڑا فخر سمجھتا ہے اور یہی اس کا انتہائی مقصود ہے حالانکہ آپ بنی نوع انسان ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بندہ ہیں، یہ بہت بڑی بات ہے کہ جو بندہ بندگی میں ترقی کا خواہاں ہے وہ خدائی اختیارات کو کس طرح چاہے گا جس شئ کی چاہت نہ ہو وہ اس کے لائق ہی نہیں اور نہ ہی اس میں اس کی خوشی ہے بلکہ اس کا بڑا اور اہم مقصد 'وصال محبوب'' ہے اور'' دیدار الہٰی'' ہے تو اس کی تمام مرادیں برآئیں گی۔ اور تمام خوشیاں پوری ہوں گی۔ اس سے اوپر بندہ کا کوئی مقصد نہیں اور نہ اس سے بلند اس کا کوئی مقام ہے۔ اسی لیئے قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کی تعریف میں فرماتے ہیں **نعم العبد** یعنی بڑے اچھے بندے تھے۔

رہے معجزات اور کرامات تو ان کے متعلق کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ نبی، اور ولی کی اختیاری چیزیں ہوتی بلکہ کرتا خدا ہے اور نبی ولی کے ہاتھ پر صرف نمائش ہوتی ہے تاکہ اس کی نبوت کا اثبات ہو اور دین کو تقویت ملے بلکہ خود ہی صاحب رسالہ نے صفحہ ۱۳۵ میں اس کی صراحت کی ہے۔

یہ بڑی انوکھی چیز ہے اصل بات یہ ہے کہ نبیؐ دعا فرمانا نہیں چاہتے تھے۔ پہلے تو اس کو "صبر" کی فضیلت بتا کر ٹالنا چاہا، جب اس کا اصرار دیکھا تو ٹالنے کی اور تجویز فرمائی کہ خود اسی سے دعا کرائی تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ نبیؐ کو سفارشی بنانے کے بجائے اسے خود ہی دعا مانگنی چاہیئے۔ کیونکہ نبی ﷺ ایسی سفارشوں کو پسند نہیں فرماتے۔ واسطے اس کی زبان سے یہ کہلوایا کہ "یا اللہ! میں تیرے سامنے تیرے نبیؐ کو پیش کر رہا ہوں اور پھر یہ کہلوایا کہ "اے نبیؐ! میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ نبیؐ خود چاہتے نہیں بلکہ آپ کو مجبور کیا جا رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ

انبیاء علیہ السلام اور اولیاء اللہ، اس قسم کی سفارشیں سننے کے لیئے تیار نہیں اور نہ ہی وہ چاہتے ہیں کہ اس قسم کی ضرورتیں لے کر ان کے پاس کوئی آئے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ اس قسم کا اپنا بوجھ خود ہی اٹھائیں اور خود ہی اپنے لیئے دعا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندے اس کی طرف رجوع کریں یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ اس قسم کی ضرورتیں لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے تھے اگر کبھی کوئی شاذ و نادر آیا بھی تو اس کو کسی رنگ میں ٹال دیا۔

چنانچہ جنگ احزاب کے واقعہ میں لکھا ہے کہ ایک نوجوان انصاری کی نئی نئی شادی ہوئی یہ نوجوان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک تھا۔ آپؐ سے اجازت لیکر گھر آیا تو دیکھا کہ اس کی بیوی دروازے پر کھڑی ہے۔ اس کو غیرت آئی کہ یہ اس طرح باہر کیوں نکلی؟ قریب تھا کہ اس کو نیزہ میں پرو دے لیکن بیوی فوراً بولی پہلے اندر داخل ہو کر دیکھ لو کہ مجھے کس چیز نے (باہر) نکلنے پر مجبور کر دیا ہے پھر جو مرضی ہو کرنا اس نے اندر جا کر دیکھا تو ایک اژدھا فرش پر کنڈلی مارے پڑا ہے۔ اسی نیزہ سے اس کو پرو کر صحن میں لا کر نیزہ

گاڑ دیا وہ سانپ نیزہ پر پیچ وتاب کھا رہا تھا اور نوجوان تماشہ دیکھنے بیٹھ گیا۔ اس واقعہ کا راوی کہتا ہے "یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ نوجوان پہلے مریا سانپ" انصار کو اس بات کا بڑا صدمہ ہوا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بعض دفعہ جنات سانپوں کی شکل میں ہوتے ہیں اس لیے پہلے اعلان کرنا چاہیے اگر پھر بھی نہ نکلیں تو پھر مارو۔ انصار نے کہا یارسول اللہ! (ﷺ) اس جوان نے دنیا سے کوئی نصیب نہیں اٹھایا ابھی ابھی شادی ہوئی تھی، بے چارہ چل بسا۔ اس کے زندہ ہونے کی دعا فرمایئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا اس کی بجائے یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخشے اور جنت نصیب فرمائے (جس میں اس دنیا کی بیویوں سے بہتر بیویاں موجود ہیں۔

انصار مدینہ کی دعا کے لیئے درخواست: اسی طرح مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ ایک دفعہ انصار مدینہ نبی علیہ السلام کے پاس جمع ہوئے اور درخواست کی کہ "ہمیں تکلیف بہت ہے، ہماری زمینیں تنگ ہیں اور پانی کی بھی بہت کمی ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ پہاڑ دور کردے تاکہ زمینیں فراخ ہو جائیں ہم فارغ البال ہوکر اسلامی خدمات زیادہ سے زیادہ کرسکیں" انصار چونکہ "اسلام" کے بڑے جاں نثار وغم گسار تھے جن کے خون سے شجر اسلام نے غذا پائی تھی اس لیئے رسول اللہ ﷺ نے ویسے ٹالنا تو مناسب نہ سمجھا اور "دعا" کی لیئے ایک اور صورت اختیار فرمائی جس سے "آخرت کو دنیا پر" ترجیح دی فرمایا،

"اے انصارؓ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا ہے" کہ اے محمد! (ﷺ) جو تو انصار کے لیے آج مانگے گا وہ تجھے مل جائے گا سو تم بتاؤ کیا مانگوں؟ انصارؓ سوچ میں پڑ گئے اور کہا یارسول اللہ! (ﷺ) ہم مشورہ کرلیں۔ انہوں نے الگ ہوکر مشورہ کیا تو طے ہوا کہ اللہ تعالیٰ آج مہربانی کرنے پر آیا ہے کوئی بڑی چیز مانگو پھر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوکر سب نے بیک زبان عرض کیا ''یارسول اللہ! ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہم صرف اللہ تعالیٰ کی بخشش چاہتے ہیں۔

انصارؓ کے لیے دعاءِ مغفرت: نبی ﷺ خوشی سے بے اختیار ہو گئے۔ خوشی میں آ کر ان کے لئے پشتوں تک دعا فرمائی: **اللهم اغفر للانصار ولأبناء ابناء الانصار.**

یا اللہ! انصارؓ کو بخش دے انصارؓ کے بیٹوں کو بخش انصارؓ کے پوتوں کو بخش دے۔

انصارؓ نے کہا ''یارسول اللہ! (ﷺ) لڑکیاں رہ گئیں۔ فرمایا: **اللهم اغفر للانصار ولاولاد الأنصار ولأولاد اولادالانصار.**

ترجمہ: یا اللہ! انصارؓ کو بخش دے، انصارؓ کی اولاد کو بخش دے انصار کی اولاد کی اولاد کو بخش دے۔ انصارؓ نے کہا، یارسول اللہ! (ﷺ) باندیاں رہ گئیں۔ آپ نے فرمایا

''ولموالی الانصار''

یا اللہ! ان کے غلاموں باندیوں کو بھی بخشش دے۔

کتنے خوش قسمت لوگ تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی خوشی پوری کی اور کئی پشتیں بخشوالیں۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہوئی جو باوجود کثرت افراد کے ساری کی ساری کئی پشتوں تک بخشی گئی ہو۔ یہ دولت صرف انصار کو نصیب ہوئی جس کی وجہ آپ کی خوشی تھی (مشکوٰۃ جلد۲ باب فضل الفقراء فصل اول)

دنیا پر آخرت کو ترجیح دینا: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کے نیچے بستر بھی نہ تھا۔ چٹائی کے نشان آپؐ کے بدن مبارک پر پڑے ہوئے تھے۔ سر کے نیچے ایک تکیہ تھا جس کی بھرتی کھجور کے

ریشہ کی تھی۔یعنی تکیہ ملائم نہ تھا میں نے کہا:

''یا رسول اللہ! (ﷺ) اللہ آپ کی امت پر کشادگی کرے۔ فارس اور روم پر اللہ نے کتنی فراخی کی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ آپ نے (جوش میں آکر) فرمایا:

اے خطاب کے بیٹے! تم کس خیال میں پڑے ہو؟ ان کو دنیا میں نعمتیں دے دی گئی ہیں اور تمہارے لیئے آخرت میں ہیں۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ ان کی لیئے دنیا ہو اور ہمارے لیئے آخرت؟

اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ جیسے شخص کی درخواست بھی ٹھکرا دی جو ایک طرح سے آپؐ کے وزیر تھے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارش کے لیئے کبھی اس طرح دعا نہیں کی کہ۔''یا اللہ! موقع بہ موقع بارش ہوتی رہے تا کہ خشک سالی تک نوبت نہ پہنچے''

بلکہ جب قحط سالی ہوتی اور دنیا بہت تنگ آجاتی یہاں تک کہ مال مویشی ہلاک ہونے لگتے اور لوگ حاضر ہو کر فریادیں کرتے تو اس وقت آپ مسنون طریقہ پر دعا کرتے تا کہ دنیا والے توبہ تائب ہوں اور اللہ سے بخشش مانگتے ہوئے اسی کی طرف رجوع کریں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: **ما اوحی الی ان اجمع مالا واکون من التاجرین ولکن اوحی الی ان سبح بحمد ربك وکن من الساجدین واعبد ربك حتی یاتیك الیقین.**

میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجر بنوں بلکہ یہ وحی

ہوئی ہے کہ اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر اور اللہ کی عبادت کر یہاں تک کہ موت آ جائے۔
(مشکوۃ باب الرقاق فصل ۳ جلد ۲ صفحہ ۴۴۴)

غرض اس قسم کی حاجتوں اور ضرورتوں کی لیئے دعا کرنا رسول اللہ ﷺ اپنی کسر شان سمجھتے تھے اور اس لیئے صحابہ بھی نبی ﷺ کی خدمت میں اس مقصد کی لیئے نہیں آتے تھے اور نہ ہی اس قسم کی درخواستیں پیش کرتے تھے۔ اگر کوئی آیا بھی ہے تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اوپر واقعہ میں مذکور ہے یعنی کسی کو رد کر دیا کسی کو ٹال دیا اور کسی کو دین کی طرف تبدیل کر دیا۔ بہت شاذ و نادر ایسی صورتیں پیش آتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کی درخواست کے حسب منشا دعا کی ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ آپؐ دنیا پسند نہیں کرتے تھے یہاں جس کا "دین" "دنیا" بن جائے اس کے لیئے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان بزرگوں کی خدمت کرے کسی وقت خود بخود اللہ ان کے دل میں رحم ڈال دے اور وہ دعا کر دیں تو یہ بابرکت چیز ہے کیونکہ اس کی تمہید اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام، اولیاء اللہ کرامؒ اور بزرگان دین کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ ان کو دنیاوی حاجات اور دنیاوی ضرورتوں کے لیئے "آلہ کار" بنایا جائے اور ایسی چیزوں کی ان کو تکلیف دی جائے جن کو وہ پسند نہیں کرتے مگر دنیا جانتی ہے کہ بریلوی حضرات بزرگوں سے کیا سلوک کرتے ہیں؟ رات دن تانتا بندھا رہتا ہے، دور دراز سے سفر کر کے آتے ہیں اور اپنی ہر قسم کی حاجات اور ضرورتیں پیش کرتے ہیں گویا کہ بزرگ اور اولیاء اللہ انہی کی حاجت روائی کے لیئے پیدا ہوئے ہیں۔ پھر عرسوں کے موقعہ پر تو اتنی دنیا جمع ہوتی ہے کہ ریل گاڑیاں اور لاریاں اسپیشل چلتی ہیں۔ مدینہ منورہ کو

اتنی اہمیت نہیں دی جاتی جتنی مزاروں اور خانقاہوں کو دی جاتی ہے۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تو مدینہ منورہ میں موجود ہوتے ہوئے بھی رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر دعا کی درخواست کے لیے حاضر نہیں ہوتے تھے اور بریلوی حضرات دور دراز سے سفر کر کے "اصحاب القبور" سے حاجتیں مانگنے آتے ہیں۔

بہ بین تفاوت رااز کجا تا بہ کجا

عمرؓ کا عباسؓ رضی اللہ عنہ سے دعا منگوانا: عن انس بن مالك ان عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه كان اذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبدالمطلب رضی اللّٰه عنه فقال اللهم انا كنا نتوسل بنبينا ﷺ فتسقينا و انا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا قال فيسقون.

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قحط پڑتا تو حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کے وسیلے سے بارش کی دعا منگواتے تھے اور فرماتے "یا اللہ! ہم پہلے نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑتے تھے دعا منگواتے تھے تو تو ہمیں پلاتا تھا۔اب ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ پکڑتے ہیں پس ہم پانی پلائے جاتے یعنی بارش ہو جاتی ہیں۔

(بخاری باب سوال الناس الامام الاستسقاء جلد ا صفحہ ۱۳۷)

مصائب کا سبب: (حضرت عباسؓ نے اپنی دعا میں التجا کی)

اللهم لم ينزل بلاء من السماء الا بذنب ولم ينكشف الا بتوبة وقد توجهت بى القوم اليك لمكانى من نبيك وهذه ايدينا اليك بالذنوب ونواصينا اليك بالتوبه فاسقنا الغيث.

''اے اللہ! آسمان سے کوئی مصیبت نہیں اتری مگر اس کا باعث گناہ ہوتا ہے اور کبھی دور نہیں ہوتی مگر ''توبہ'' سے اور قوم نے مجھے تیری طرف متوجہ کیا ہے کیونکہ تیرے نبی ﷺ سے میری قرابت ہے اور ہمارے یہ گناہوں بھرے ہاتھ تیرے سامنے پھیلے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے ساتھ تیرے آگے جھکی ہوئی ہیں (یا تیرے ہاتھ میں ہیں) پس تو ہم پر بارش برسا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ثانی صفحہ ۳۹ طبع مصر)

فتح الباری میں اس کے بعد لکھا ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ کا اتنا کہنا تھا کہ بادل پہاڑوں کی طرح چھا گئے اور بارش شروع ہوگئی یہاں تک کہ زمین چند دنوں میں سرسبز ہوگئی۔

سبل السلام شرح بلوغ المرام میں یہ واقعہ نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ ۱۸ ھجری کا واقعہ ہے جس کو ''عام الرمادة'' کہا جاتا ہے یعنی ''سوکھے کا سال'' چونکہ سخت قحط سالی کی وجہ سے اس سال زمین غبار آلود ہو کر سیاہی مائل ہوگئی تھی۔ اس لیئے اس سال کا نام ''عام الرمادة'' ہوگیا تھا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کا دعا کرانا: قال ابن حجر واستسقى معاوية بيزيد بن الاسود فقال .

اللهم انا نستسقي بخيرنا وافضلنا اللهم ان نستسقي بيزيد بن الاسود يا يزيد ارفع يديك الى الله فرفع يديه ورفع الناس ايديهم فثارت سحابة من المغرب كانها ترس وهبت فسقوا حتى كاد الناس لايبلغون منازلهم.

ابن حجرؒ فرماتے ہیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا منگوائی پس یہ الفاظ کہے، یا اللہ! ہم بہتر اور افضل کے واسطے سے کی بارش دعا مانگتے ہیں اے یزیدؓ اپنے دونوں ہاتھ اللہ کی طرف اٹھا۔ پس یزیدؓ نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور لوگوں نے بھی اپنے اپنے ہاتھ اٹھائے پس اس وقت مغرب کی طرف سے ایک بادل ڈھال کی برابر اٹھا (چھوٹا سا) اور پھر ہوا چلی پس بارش شروع ہوگئی یہاں تک کہ لوگوں کو اپنے گھروں تک پہنچنا مشکل ہوگیا۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد۲ صفحہ ۲۸۸)

ان روایتوں سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) ''وسیلہ'' پکڑنے کا طریقہ معلوم ہوا کہ جس کا وسیلہ پکڑنا ہے اس کو دعا کی لیئے آگے کرے اور اس سے دعا منگوائے۔

(۲) نبی ﷺ کے ساتھ وسیلہ پکڑنے میں اور امتی کے ساتھ وسیلہ پکڑنے میں فرق معلوم ہوا کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ نے جب عباس رضی اللہ عنہ کو آگے کیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کو آگے کیا تو یہ الفاظ کہے کہ یا اللہ! ہم اپنے نبیؐ کے چچا کو یا اپنے سے بہتر اور افضل انسان کو پیش کرتے ہیں تو ہم پر رحمت کی بارش نازل فرما۔ دعا کا قبول ہونا یقینی نہیں ہوتا اور پھر اس کے سب سے ''افضل انسان'' ہونے کا اکثر گمان ہی ہوتا ہے۔ حقیقت خدا کے سپرد ہے اس لیئے اس (افضل شخص) سے دعا منگواتے وقت عاجزی کرتے ہوئے اس قسم کے الفاظ کہے جاتے ہیں برخلاف نبی ﷺ کے کہ وہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں تو ان کی شان اس سے بلند ہے کہ ان کی سفارش کے لیئے عاجزی کی جائے۔

(۳) فوت شدہ کا وسیلہ دور سے یا نزدیک سے پکڑنا جائز نہیں معاویہ رضی اللہ عنہ

شام میں تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ نہیں پکڑا اور عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں تھے انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ہم پہلے نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑ تے تھے اب اپنے نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ پکڑ تے ہیں گویا حضور ﷺ کی حیات اور وفات میں فرق کر تے ہوئے یہ بتلایا کہ فوت شدہ کا ''وسیلہ'' جائز نہیں۔ اب جو لوگ حیات و وفات میں فرق نہیں کر تے اور مطلقاً وسیلہ جائز کہتے ہیں ایک تو وہ عمر رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ اور ہزاروں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ جو اس اجتماع میں موجود تھے ان کی مخالفت کر تے ہیں۔

دوسرا وہ نبی ﷺ کی سخت توہین کر تے ہیں کیونکہ وفات سے پہلے نبی ﷺ کی موجودگی میں اگر عباس رضی اللہ عنہ یا کسی اور اہل بیت کو دعا کے لیئے آگے کیا جا تا تو اس میں آپ کی کتنی توہین ہوتی تو اگر وفات کے بعد بھی ویسا ہی ''وسیلہ'' پکڑ سکتے ہیں تو پھر معاذ اللہ! عمر رضی اللہ عنہ، نے صحابہ کرامؓ کے اتنے بڑے اجتماع میں نہ صرف عباس رضی اللہ عنہ کا ''وسیلہ'' پکڑا بلکہ نبی ﷺ کی سخت توہین کی انا للہ و انا اللہ راجعون۔

بریلوی حضرات کی ایک اور ڈبل غلطی:

''توحید'' کا مسئلہ بہت نازک ہے اس کے سمجھنے کے لیئے پوری توجہ کی ضرورت ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اللہ ارحم الراحمین ہے۔ رسول اللہ ﷺ اگر چہ ''رحمة للعالمین'' ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان سے بھی زیادہ مہربان ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی حاجت کا سب سے زیادہ ''علم'' ہے بلکہ بندہ خود اپنی ضرورت کو اتنا نہیں سمجھتا جتنا کہ اللہ کو ''علم'' ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ خدا قادر مطلق ہے وہ بندے کی ہر ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ ماں اگر اپنے بچے کی ضرورت پوری نہیں کر سکتی تو وہ بیچاری معذور ہے اس کو قدرت حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات تو معاذ اللہ ایسی نہیں کہ اس کو قدرت حاصل نہ ہو پھر باوجود اس کے وہ بندہ کی ہر ضرورت پوری نہیں کرتا تو اس کی کیا وجہ؟ جب وہ مہربانوں کا مہربان ہے اور کائنات کی ہر ضرورت کا ''عالم'' ہے اور قادر مطلق بھی ہے اور بندہ مانگتا بھی ہے مگر پھر بھی بہت سی دنیا محروم ہے۔ سو اس کے متعلق سوچنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ اللہ جس طرح بندے کی ضرورت کو جانتا ہے ویسے ہی اس کی مصلحت کو بھی سب سے زیادہ جانتا ہے وہ بندے کے ساتھ جو کچھ کرتا ہے وہی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے مگر ہم اپنی کم علمی کی وجہ سے نہیں سمجھتے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بزرگوں کی مرضی اللہ کے خلاف نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے بزرگ بھی وہی چاہتے ہیں اور جو اللہ پسند کرتا ہے وہ بھی وہی پسند کرتے ہیں۔

حدیث قدسی ہے جو شی میں نے بندے پر فرض کی ہے اس پر عمل کر کے بندہ میرا ''قرب'' حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں جب میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو میں اس کے ''کان'' بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی ''آنکھ'' بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ''ہاتھ'' ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور ''پاؤں'' بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ سوال کرے تو اس کا سوال ضرور پورا کرتا ہوں۔ اگر پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی کام میں کبھی تردد نہیں ہوا جیسے مومن کی جان قبض کرنے کے وقت ہوتا ہے وہ موت کو مکروہ سمجھتا ہے اور میں اس کو غمگین کرنا نہیں چاہتا اور موت سے چارہ نہیں [1] (مشکوۃ باب ذکر اللہ عز و جل جلد ا صفحہ ۱۹۷)

---

(۱) وضاحت اس حدیث کی وضاحت ذرا مشکل سمجھی جاتی ہے اس لیئے ہم تھوڑی سی تمہید کے ساتھ وضاحت سے

(حاشیہ بقیہ) بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بعض دفعہ بندوں کو اس طرح خطاب کرتے ہیں جیسے بندے آپس میں کلام کرتے ہیں قرآن مجید میں صدقہ وغیرہ کی آیات میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے قرض مانگا ہے حالانکہ قرض عموماً غریب مانگتا ہے۔ اسی بناء پر یہود نے کہا کہ مسلمانوں کا خدا ''فقیر'' ہے اور ہم غنی ہیں چنانچہ پارہ ۴ رکوع ۱۰ میں اس کا ذکر ہے۔ پارہ ۱۱ رکوع ۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جان مال خرید کر اس کی قیمت میں بہشت دیا ہے۔''

حالانکہ نہ یہاں خرید وفروخت ہے اور نہ ہی اللہ نے جان ومال لیا ہے بلکہ پہلے ہی سے سب کچھ اسی کا ہے۔

مشکوۃ باب عیادۃ المریض فصل اول جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ میں حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کی ترغیب دیتے ہوئے خود کو بندوں میں شامل کر کے فرماتے ہیں، اے بندے! میں بیمار ہو گیا تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ میں نے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ میں نے پانی پینا چاہا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ اس حدیث کے مطلب میں بندوں کا بیمار ہونا اور بندوں ہی کا بھوکا پیاسا ہونا مراد ہے۔ مگر ہمدردی کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ بیمار نہیں بلکہ میں بیمار ہوں اور ''بندہ'' بھوکا پیاسا نہیں بلکہ میں بھوکا پیاسا ہوں گویا میرے بندوں کی بیمار پرسی اور میرے بندوں کو کھلانا پلانا میری بیمار پرسی اور مجھے ہی کھلانا پلانا ہے گویا جیسے ہم آپس میں بولتے ہیں کہ میں اور آپ کوئی دو ہیں؟ یہ آپ ہی کا گھر ہے آپ جب چاہیں آسکتے ہیں جیسے علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو مجھ سے ہے میں تجھ سے ہوں ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی ذات کسی بات کی اہمیت بتانے کے لیئے بندوں کی سی گفتگو کرتے ہیں حدیث مذکورہ بالا بھی اسی قسم سے ہے۔

حدیث قدسی کا صحیح مفہوم: اللہ تعالیٰ کا بندے کے اعضاء بن جانا اسکا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں بندے کے اعضاء بن جاتا ہے جیسے عیسائی اللہ اور عیسیٰ علیہ السلام کو ایک مانتے ہیں۔ بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ بندے کے اعضاء ''اللہ تعالیٰ'' کی مرضیات میں صرف ہوتے ہیں اور بندہ اپنے اعضاء سے وہی کام لیتا ہے۔ جو اللہ کو محبوب ہوتا ہے پھر بندہ مانگتا بھی وہی ہے جو اللہ چاہے اور اگر بندہ اس مقام پر پہنچ کر کسی وقت غلطی سے خدا کی مرضی کے خلاف کر بیٹھے تو خدا تعالیٰ کہ طرف سے فوراً ڈانٹ آجاتی ہے میرا ہو کر میری مرضی کے خلاف کیوں چاہتا ہے؟ چنانچہ گزشتہ اوراق میں چند واقعات گزر چکے ہیں۔

☆ مثلاً نابینا صحابیؓ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو ڈانٹ پڑی جنگ احد میں زخمی ہوئے تو آپکی زبان مبارک سے صرف یہ الفاظ نکل گئے کہ ''یہ قوم کس طرح نجات پائے گی جس نے اپنے نبی کو زخمی کردیا اس پر بھی ڈانٹ پڑی کہ ''تیرا کیا اختیار ہے؟''

☆ پھر شہد حرام کرنے کے متعلق آپ کو ڈانٹا گیا۔

☆ کفار کو منہ مانگا معجزہ دکھانے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ایسے سخت الفاظ استعمال کیئے کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں یعنی یوں کہا گیا کہ آسمان پر سیڑھی لگا کر یا زمین میں گھس کر کوئی معجزہ لے آ (پس اللہ کی مرضی کے خلاف کر کے بے وقوف نہ بن)

☆ اسی طرح بیٹے کے بارے میں نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ڈانٹا۔

☆ یونس علیہ السلام کو ذرا مرضی کے خلاف چلنے پر مچھلی کے پیٹ میں قید کرلیا۔

☆ یوسف علیہ السلام کا واقعہ بھی ان الفاظ میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک قیدی

سے کہا کہ میرا ذکر بادشاہ کے پاس کر دینا کہ ایک بے گناہ جیل میں پڑا ہے چونکہ ایسے موقعہ پر نبیؑ کی توجہ اللہ تعالیٰ کسی غیر کی طرف پسند نہیں کرتا اس لیئے اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے انہیں سات سال جیل میں اور رکھا پہلے پانچ سال گزرے تھے سات سال اور بڑھا دیئے یعنی کل بارہ سال رہے۔

قرآن مجید پارہ ۱۲ اور تفاسیر میں اس کی تفصیل موجود ہے اوراس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ انہوں نے (قوم کی مخالفت کے وقت) آرزو کی کہ کاش! میرے پاس تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعہ میں پناہ لیتا گویا رسول اللہ ﷺ نے اس سے اشارہ کیا کہ ایسے موقعہ پر غیر اللہ کا سہارا لینا نبی کی شان کے لائق نہیں۔

چنانچہ یہ واقعہ بھی قرآن مجید پارہ ۱۲ کی تفاسیر میں مفصل مذکور ہے۔غرض اس قسم کے بیسوں واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے قرب کا یہ معنیٰ نہیں کہ اللہ بزرگوں کی مرضی کرتا ہے بلکہ بندے اللہ کی مرضی کرتے ہیں اور جب ''اللہ'' کسی وقت بندے کی مان لیتا ہے تو وہ بھی اللہ کی مرضی ہوتی ہے اور اگر اللہ کی مرضی نہ ہو تو ڈانٹ آجاتی ہے یا جو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے سلوک کرتا ہے جب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ اللہ کے بندے اللہ کی مرضی کرتے ہیں تو نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کے حق میں دعا بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ ان کی پاس خدائی اختیارات ہوں بلکہ ان کو ہر وقت محتاط رہنا پڑتا ہے ایسا نہ ہو کہ کہیں اللہ کی مرضی کے خلاف ہو جائے اور اس کی طرف سے ڈانٹ ڈپٹ آ جائے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دنیاوی حاجات کی خاطر دعا کرانے

کے لیئے اول تو آتے ہی نہ تھے اور اگر اکا دکا کوئی آیا بھی ہے تو اکثر آپؐ نے ٹالنے کی کوشش کی ہے چنانچہ مثال کے طور پر چند واقعات پہلے گزر چکے ہیں۔

اب بریلوی حضرات کا حال دیکھئے کہ صحابہؓ تو آپؐ کی زندگی میں بھی احتیاط برتیں اور یہ حضرات وفات کے بعد بھی آپ کو نہیں چھوڑتے۔ تمام حاجات کا بوجھ آپؐ کے کندھے پر رکھ دیا ہے اور آپ کی مرضی کے بغیر آپ کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ اللہ سے لیکر دیجئے بلکہ اس پر بھی کفایت نہیں کرتے اور تمام خدائی اختیارات کا ان کو مالک بنا دیا ہے اور وہ بیچارے اللہ کی مرضی کے بغیر زبان بھی نہیں ہلا سکتے اور یہ کہتے ہیں کہ خدا کی جگہ ہمارے لیئے تم ہی ہو۔

بریلوی حضرات کی کج فہمی: چنانچہ اسی رسالہ میں آگے چل کر یہ حدیث ذکر کر کے لکھا ہے کہ اللہ بندے کے کان آنکھ اور ہاتھ پاؤں ہو جاتا ہے۔

اولیاء اللہ کو کوئی خدا نہیں کہتا "**فنا فی اللہ**" ہونے کے باعث انہیں وہ قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے کہ "خاصان خدا، خدا نہ باشد لیکن از خدا جدا نہ باشد" کا مصداق بن جاتے ہیں اور ان کی قوت ذاتی نہیں بلکہ عطا کردہ الٰہی ہوتی ہے جیسا کہ مولائے روم رحمہ اللہ علیہ فرمایا۔

اولیاء راہست قدرت از الہ　　تیر جستہ باز گردانند زراہ

(رسالہ استمد اد از عباد الرحمان صفحہ ۱۳)

خیال فرمایئے کہ حدیث کا مفہوم کس قدر غلط لیا جا رہا ہے کہ وہ فنا فی اللہ ہو کر خدائی طاقت پا لیتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کوئی کام خدا کی مرضی کے بغیر نہیں ہوتا۔ اگر خدائی اختیارات مل جاتے تو اللہ کی طرف سے ڈانٹیں کیوں پڑتیں؟ اور پھر اس

حدیث میں یہ کیوں کہا گیا کہ اگر وہ سوال کرے تو اس کا سوال پورا کرتا ہوں اور اگر وہ پناہ مانگے تو پناہ دیتا ہوں جب خدائی اختیارات ہی مل گئے تو پھر سوال کس چیز کا اور پناہ کس چیز سے؟ خیال فرمائیے کہ بریلوی حضرات نے کس قدر غلطی کھائی ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ سمجھے ہیں کہ خاصان خدا، خدا سے جدا نہیں بلکہ اس میں فنا ہو کر خدائی اختیارات پا لیتے ہیں اور سوال کرنے اور ''پناہ'' مانگنے کے الفاظ پر توجہ ہی نہیں کی کہ ان کو ''ڈانٹیں'' کیوں پڑتی ہیں؟ یہ ہے مبلغ ''علم'' بریلوی حضرات کا انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

باقی رہا مولائے روم کا شعر تو یہ کوئی ''قرآن وحدیث'' تو ہے نہیں کہ اس کی بناء پر بریلوی عقیدہ صحیح ہو جائے۔ یہاں! اس سے اگر معجزہ یا کرامت مراد ہو تو یہ چیز قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر یہ ایک وقتی چیز ہے اور پھر اختیاری نہیں کہ جب چاہو ہو جائے بلکہ حسب ضرورت جب اللہ چاہتا ہے بزرگوں کے ہاتھ پر ظہور میں آ جاتی ہے۔ عام شئے نہیں کہ جس کی بنا پر ہم اپنی تمام حاجات اور ضروریات ان کے ہاں پیش کرنا شروع کر دیں اور ان سے مانگنے لگ جائیں چنانچہ گزشتہ اوراق میں اس کی کافی تفصیل آ چکی ہے خیر یہ تو اس ''رسالہ'' کا بحیثیت مجموعی جواب ہوا اب جستہ جستہ اور تفصیلاً سنئے:

اسباب عادیہ

یہ رسالہ صفحہ۲ سے شروع ہوتا ہے صفحہ۲ اور صفحہ۳ پر تو ''اسباب'' اور ''وسائل'' جو عام عادت اور دستور کے مطابق ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم صحیح النسب اولاد پیدا کرنے کے لیئے نکاح کرتے ہیں بچوں کی تعلیم کی لیئے استاد مقرر کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور صفحہ۴ پر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ **مافوق العادت اسباب** (یعنی عام عادات سے بالاتر) وسائل بھی اسی قسم سے ہیں جیسے اولیاء اللہ سے مدد مانگنا اور مصیبت کے وقت ان کو پکارنا وغیرہ خواہ دور ہوں یا نزدیک خواہ ''حیات ہوں یا فوت شدہ'' یہ نتیجہ بالکل غلط ہے اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان پر تنقید:

اس کے بعد صفحہ۴ پر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' صفحہ۱۴ کے حوالے سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے۔

''مخلوق میں چھوٹا ہو یا بڑا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔

جواب: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بریلویہ میں ''علم'' کی بہت کمی ہے۔ اصول کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ **العبرة لعموم لا لخصوص السبب** (۱)

---

(۱) وضاحت، ہم بے شک دعا کریں مگر ہمارے ساتھ قبولیت کا وہ وعدہ نہیں جو بزرگوں کے ساتھ ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے پھر قدرت کا نظام بھی عجیب ہے کہ بزرگوں کے سوال (یعنی ہر وقت بلاوجہ اور ناجائز سوال) کرنے کا دائرہ تنگ ہے اور ہماری (دعا کی) مقبولیت کا دائرہ تنگ ہے۔ اصل میں اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کرتے ہیں یہاں نہ خواص کی چلتی ہی نہ عوام کی۔ یہاں سب کمزور ہیں اور یہی شاہ اسماعیل شہ...

اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت اترنے کی وجوہ خواہ بت ہوں لیکن (لفظ) من دون اللہ عام ہے جس میں "غیر اللہ" کے خدائی اختیارات مانے جائیں، وہ اس میں شامل ہیں۔ خواہ بت ہوں ولی، نبی یا بزرگ ہوں اور اس سے بزرگوں کی توہین سمجھنا یہ بھی غلطی ہے۔ مثلاً سونے کی سلائی گرم کر کے آنکھوں میں پھیریں یا "جست کی سلائی" (نتیجہ دونوں کا ایک ہی نکلے گا کہ) آنکھوں کا نور چلا جائے گا لیکن اس عمل سے "سونے" کی قیمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ ٹھیک اسی طرح خدائی اختیارات خواہ "بتوں" میں مانیں یا اولیاء اللہ (کے نام منتقل کر دیں) اس سے ایمان رخصت ہو جائے گا لیکن بت بت ہی ہیں اور اولیاء اللہ، اولیاء اللہ ہی ہیں۔ مثلاً:

عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بہت بڑھایا یہود نے عزیر علیہ السلام کو اور مشرکین نے فرشتوں کو اس وجہ سے یہ سب کافر ہو گئے تو کیا اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی، عزیر علیہ السلام کی یا فرشتوں کی شان گھٹ گئی؟ بریلوی حضرات کا مبلغ علم بہت تھوڑا ہے کہیں سے کہیں جا نکلتے ہیں۔ اصل حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو سجدہ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) دہلویؒ کی مراد ہے کیونکہ ذلیل کے معنی کمزور اور نرم کے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید پارہ ۶ ع ۱۲ میں ہے اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین۔ یعنی خدا کے نیک بندے مومنوں کے حق میں ذلیل ہیں یعنی نرم ہیں اور کافروں کے حق میں سخت ہیں چونکہ وہ حکومت اسلامی کے قریب کا زمانہ تھا اور عربیت کا بڑا زور تھا اور زبان اردو کا آغاز تھا۔ عربی محاورات تحریری استعمال میں زیادہ تھے اسی بنا پر ان کی تحریر میں یہ لفظ استعمال ہو گیا۔ اسی وجہ سے انہوں نے "اللہ" کی شان کے آگے کہا ہے (بندہ خدا کی شان کے آگے حقیر اور ذلیل ہے) اگر حقیر سے (شاہ اسماعیل شہید کا مطلب) نظر سے گرا ہوا ہوتا تو وہ یوں کہتے۔ اللہ کے نزدیک چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ مگر بریلوی حضرات کا مبلغ "علم" تھوڑا ہے وہ لفظ "شان" اور لفظ "نزدیک" میں فرق نہیں کر سکے۔

کرنا چاہا تو اس سے منع کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: **اکرموا اخاکم واعبدوا ربکم.** یعنی اپنے بھائی کی عزت کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔

اب سوچئے کہ بریلوی حضرات نے پہلے اسباب عادیہ کو ''غیر عادیہ'' پر قیاس کرلیا۔ پھر آیات قرآنیہ کے شان نزول (پر بندش لگادی) اور لفظ ''عام'' من دون اللہ کی پرواہ نہ کی۔ پھر خدائی اختیارات کو بزرگوں میں نہ ماننے سے بزرگوں کی توہین سمجھا حالانکہ بزرگوں کی بزرگی خدا کی بندگی میں ہے اور انبیاء کی شان نبوت کی ''ڈیوٹی'' کا حق ادا کرنے اور خدائی شعبہ تبلیغ کو کما حقہ، سرانجام دینے میں ہے۔ کیونکہ جس کام میں کوئی ہوتا ہے اس کام میں ترقی کرنے سے اس کا کمال ہے مثلاً ''بستر'' سونے کے لیئے اور لحاف سردی سے بچاؤ اور ''پانی'' پیاس بجھانے کے لیئے ہے۔ سوت کا کمال یہی کہ نرم اور گدگدا ہو۔ جس پر نیند آرام سے آئے اور لحاف کا کمال یہ ہے کہ بدن کو گرمادے اور پانی کا کمال یہ ہے کہ جگر اور معدے کی حرارت دور کر کے طبیعت کو تسکین دے۔ اسی طرح بندہ ''بندگی'' کے لیئے ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** .یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی ''بندگی'' کے لیئے پیدا کیا ہے'' پس اس کا کمال'' بندگی میں ترقی کرنے سے ہے نہ کہ خدائی اختیارات ملنے میں۔ اسی لیئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے نیک بندوں کی تعریف ''عبدیت'' کے ساتھ کرتے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر فرمایا ''نعم العبد'' بڑا اچھا بندہ تھا (اور بندگی اسی کا نام ہے) کہ خود کو شریعت کے دائرہ میں رکھے اور اپنے اعضاء کو رضاء الٰہی میں استعمال کرے۔ مثلاً کان سے سننا، آنکھ، سے دیکھنا ہاتھ سے پکڑنا یہ سب اس کی رضا کے لیئے ہو چنانچہ اوپر حدیث قدسی میں

تفصیل ہو چکی ہے۔ اور اسی حدیث قدسی سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بندے کو خدائی اختیارات نہیں ملتے ورنہ اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتے کہ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کا سوال پورا کرتا ہوں اور اگر پناہ مانگے تو پناہ دیتا ہوں کیونکہ اختیار ملنے کی بعد مانگنے مگانے اور دست سوال دراز کرنے کے کچھ معنی نہیں پھر وہ (اولیاءاللہ) مانگتے وہی چیز ہیں جس میں اللہ کی ''رضا'' موجود ہو ورنہ اللہ کی طرف سے ڈانٹ آ جاتی ہے وہ جیسے چاہتا ہے۔ سلوک کرتا ہے ورنہ حضرت علیؓ عبدالرحمن بن ملجم خارجی کے ہاتھ سے کیوں شہید ہوتے۔

خلاصہ یہ کہ بندے کے لیئے ''توحید'' کا مقام ''عبودیت'' کا مقام ہے۔ اس مقام سے ہٹ جانے پر کسی کی کوئی رورعایت نہیں ہونی چاہیے۔ وہ ''نبی'' ہو یا ''ولی'' ہو یا کوئی اور بزرگ ہو۔ سب ہی اللہ سے ڈرتے اور تھر تھر کانپتے ہیں۔

معجزات وکرامات: معجزات وکرامات کے متعلق یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ وقتی چیزیں ہیں جو بے اختیار بندے کی ہاتھ پر ظاہر ہو جاتے ہیں اس سے خدائی اختیارات ثابت نہیں ہوتے ورنہ رسول اللہ ﷺ جنگ احد میں دشمن کے ہاتھ سے زخمی ہو کر کیوں بیہوش ہوتے، غزوہ خیبر میں زہر کیوں دیئے جاتے؟ حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا جو حال ہوا وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ غرض اس قسم کے ہزاروں واقعات ہیں جن کی تفصیلات یہاں لکھنا مشکل ہیں جن سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ بزرگوں کے عام حالات وہی ہیں جو عام دنیا کے ہیں۔ بریلوی حضرات کی مثال تو وہی ہے جیسے کنواں کھودتے کھودتے کسی کو اشرفیوں کی دیگ مل جائے۔ اب وہ جگہ جگہ کنویں کھودتے پھرتے ہیں کہ شاید کامیاب ہو جائیں حالانکہ کوئی کام اتفاقیہ طور پر اگر کسی وقت ہو جائے تو اس کو عام حالات پر قیاس نہیں کیا جاتا۔ معجزات وکرامات کا بالکل یہی حال ہے مگر بریلوی حضرات کو کون سمجھائے اللہ ہی ان پر رحم کرے۔

بت اور اولیاء اللہ : یہ جو کچھ لکھا گیا ہے صاحب رسالہ کے خیال کے مطابق لکھا گیا ہے کہ ''منکرین استمداد'' بتوں کی آیات اولیاء اللہ کے حق میں پڑھتے ہیں، ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ آیات دونوں طرح کی قرآن مجید میں موجود ہے:

﴿اولئك الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة ايهم اقرب ويرجون رحمته ويخافون عذابه ان عذاب ربك كان محذورا﴾

''یہ لوگ جن کو مشرک پکارتے ہیں یہ اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں، جونسا ان کا زیادہ قریب ہے اور اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک ان کے رب کا عذاب اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے (بنی اسرائیل:۵۷)

اس آیت میں ذکر ہے کہ جن کو مشرک پکارتے ہیں وہ خود وسیلے کے طالب ہیں خدا کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں بتلائیے! یہ صفات اولیاء اللہ کی ہیں یا ''بتوں'' کی پس معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کو پکارنے سے بھی انسان مشرک ہوجاتا ہے۔

صاحب رسالہ کی حالت پر تعجب: صاحب رسالہ نے صفحہ۱۳-۳۲ پر یہ آیت خود ہی منکرین استمداد کے دلائل میں ذکر کردی ہے۔ خدا جانے (یہاں صفحہ۴ میں) اس سے کیوں انکار ہے؟ کسی نے سچ کہا ہے

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہوجا سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

البتہ اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے وسیلہ پکڑنا ثابت ہوگیا اور اس کی وضاحت کے لیئے شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی تفسیر موضح القرآن سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

''یعنی جن کو کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اللہ کی جناب میں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں

کہ جو بندہ بہت نزدیک ہو اس کا وسیلہ پکڑیں اور وسیلہ سب کا پیغمبر ہیں آخرت میں انہی سے شفاعت ہوگی ا۔

بریلوی حضرات جو عبارتیں اپنے لیئے مفید سمجھ کر نقل کرتے ہیں وہی ان کی مخالفت کی دلیل ہوتی ہیں مگر یہ لوگ سمجھتے نہیں۔ ایسے لوگوں کو عملی میدان میں قدم رکھنا زیب نہیں دیتا بلکہ یہ قومی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔ دیکھئے اس عبارت میں صاف ہے کہ آخرت کا وسیلہ پیغمبر ﷺ ہیں۔ آخرت میں انبیاء شفاعت کریں گے لیکن آخرت کا ذکر کر کے بریلویہ کی تردید کر گئے کہ دنیا میں فوت شدہ کا وسیلہ نہیں ہے اس آیت کا ایک اور معنی ہے جو لغت کی رو سے راجح ہے اس کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ ''سماع موتی'' میں کی ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ لغت میں اس کے معنی ''قرب'' کے ہیں۔ اس بناء پر آیت کے معنی یہ ہوئے جن کو مشرک

---

(۱) قرآن مجید میں ہے ﴿افمن یخلق کمن لایخلق افلاتذکرون﴾

ترجمہ: کیا خالق اور غیر خالق برابر ہو سکتے ہیں (پارہ ۱۴ رکوع ۸ آیت ۱۷)

اس آیت میں مشرکوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ کوئی شئے پیدا تو نہیں کر سکتے پھر وہ خدا کے شریک کیسے ہو گئے؟ اس کے بعد دوسری آیت میں فرمایا:

والذین یدعون من دون اللہ لایخلقون شیئاً وھم یخلقون ٥

''جن کو کفار پکارتے ہیں وہ کوئی شئے پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود مخلوق ہیں۔ (پارہ ۱۴ آیت ۲۵)
تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے شریک کیسے؟''

ان دونوں آیتوں میں پہلی میں لفظ "من" ہے اور دوسری آیت میں "الذین" ہے جو "ذوی العقول" (عاقل) کے لیئے ہیں اور ''بت'' عاقل نہیں پس بریلوی حضرات کا ''بتوں'' کی آیات پر اکتفاء کرنا غلط ہو گیا اس کے علاوہ اور سنئے!
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لایستجیب لہ الی یوم القیامہ﴾

یعنی اس سے زیادہ گمراہ کون شخص ہوگا جو اس شخص کو پکارے جو جواب تک نہیں دے سکتا (پ ۲۶ الاحقاف ۵)

پکارتے ہیں وہ خود قرب الٰہی ڈھونڈتے ہیں ان میں جو بندہ خدا کا زیادہ مقرب ہے وہی قرب کا طالب ہے اس صورت میں یہ آیت کسی بندے کو ''وسیلہ'' بنانے کے متعلق نہیں ہوگی بلکہ نیک اعمال کو وسیلہ بنانے کے متعلق ہوگی کیونکہ جو زیادہ مقرب ہے اگر اسکا وسیلہ بندہ ہو تو پھر وہ بندہ زیادہ مقرب ہوا وہ وسیلہ کا طالب ہو پس اس سے تسلسل لازم آئے گا جو ناممکن ہے آخر ماننا پڑے گا کہ وسیلہ درحقیقت نیک عمل ہے پس اس کی کوشش کرنی چاہیے خدا توفیق دے۔ (آمین)

بت اور مشرکین: یہ مانی ہوئی بات ہے کہ مشرکین جو ''بتوں'' کو پوجتے ہیں وہ ان کو بزرگوں کا ''اوتار'' سمجھتے ہیں اور درحقیقت انہی کی پوجا کرتے ہیں جیسے مشرکین مکہ نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی تصویریں بنا رکھی تھیں۔ ورنہ ایسا بیوقوف دنیا میں کون ہے جو اپنے ہاتھ سے ایک چیز بنا کر اس کو اپنا حاجت روا سمجھے پس جب مشرک بھی درحقیقت اپنے بزرگوں کو پکارتے ہیں اور حاجت روا سمجھتے ہیں اور ''بریلویہ'' کا بھی یہی عقیدہ ہے پس حال دونوں کا ایک ہی ہوگیا۔ اب کوئی بتوں کی آیات ان پر چسپاں کرے تو اس پر کیا اعتراض؟

شاہ اسماعیل شہیدؒ، ابن عربیؒ اور شاہ جیلانیؒ: ابن عربیؒ، شیخ الشیوخ کے لقب سے مشہور ہیں، تصوف وغیرہ میں انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ تصوف میں ان کی ایک کتاب ''المعارف'' ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

وبلغنا عن رسول اللہ ﷺ انه قال لا یکمل ایمان المرء حتی یکون الناس عنده کالاباعر ثم یرجع الی نفسه فیراھا اصغر صاغر،

''ہمیں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ انسان کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ سب لوگوں کو اونٹ کی ''لید'' کے برابر نہ سمجھے پھر اپنے نفس کی طرف رجوع کرے پس اس کو سب سے حقیر سمجھے۔''

(بلاغ المبین مترجم از شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی صفحہ ۱۳۳ باب شرکیہ وظائف)

بریلوی حضرات کے لیئے یہ غور کا مقام ہے کہ شاہ اسماعیل صاحب نے تو صرف چمار سے ذلیل کہا ہے جو کہ بنی نوع انسان ہے لیکن شیخ الشیوخ نے تو اونٹ کی ''لید'' کہہ دیا اب ان پر کیا فتویٰ لگنا چاہیئے پھر اس کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد فرمار ہے ہیں پھر تو معاذ اللہ آپ بھی بڑے گستاخ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے جو کچھ نکلتا ہے وہ عرش بریں سے صادر ہوتا ہے تو معاذ اللہ۔

اللہ بھی لپیٹ میں آ گیا لوگ تو مبالغہ کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں۔

ناوک نے تیرے صید، نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

یہاں زمانے سے بالاتر بھی کچھ نہ بچا خیر یہ تو شیخ الشیوخ کے ارشاد کے مطابق ہوا۔ شاہ جیلانیؒ ان سے بھی آگے ''فتوح الغیب'' صفحہ ۶۴ میں فرماتے ہیں افن عن الخلق باذن اللہ اللہ کے حکم سے مخلوق سے فانی ہوجا (رسالہ استمد اداز عباد الرحمٰن صفحہ ۱۴)

مخلوق سے فانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تیرے سامنے مخلوق سلامت نہ ہو لاشئے ہو جائے اس کا وجود ہی نہ رہے۔ لیجئے! شیخ الشیوخ نے اگر اونٹ کی ''لید'' بنایا تو کم سے کم وجود تو قائم رہا۔ شاہ جیلانیؒ نے تو وجود ہی مٹا دیا۔

اصل میں ''توحید'' کا مقام بہت بلند ہے وہاں تک بریلوی حضرات کی پرواز کہاں؟ جن کا سرمایہ توحید صرف یہ ہے کہ

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے   جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمد سے (۱)

یہاں! شیخ الشیوخ شاہ جیلانیؒ اور شاہ اسماعیلؒ شہید، کا مقام اس سے بہت بلند ہے ان کی طرف سے اس ''شرکت'' کے جواب میں:

خلقت کے پلڑے میں رکھا ہی کیا ہے   جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لینگے رب احمد سے

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے:

جو خود محتاج ہوئے دوسرے کا   بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

کیا ہے وہ جو نہیں ہوتا خدا سے   جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

بریلویہ کے بزرگ کی دیانتداری: مولوی خرم علی مرحوم نے مسئلہ توحید میں ایک نظم لکھی تھی جو کئی دفعہ مطبوع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ دو اشعار اسی نظم کے ہیں۔

بریلویہ کے حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے دوسرے شعر کے جواب میں طنزاً ایک شعر لکھا جو یہ ہے:

وہ چندہ ہے جو نہیں ملتا خدا سے   جسے تم مانگتے ہو اغنیاء سے

بریلوی حضرات کے مولوی خرم علی صاحب نے بدل کر یوں لکھا:

وہ چندہ جو نہیں ملتا خدا ہے   جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

(رسالہ بریلویہ آئینہ صداقت از خوشی محمد بریلوی صفحہ ۸)۔

ہمیں یہاں ایک واقعہ یاد آ گیا حکومت کو ایک دفعہ فوج کے لیئے توؤں کی

ضرورت ہوئی ایک فرم کوٹھیکہ دیا اور نمونے کے لیئے ایک ''توا'' بھیجا کہ اس نمونے کے ''توے'' چاہئیں۔ اتفاق سے فرم کی طرف سے ''توے'' چھوٹے بن گئے، خطرہ ہوا کہ حکومت ''توے'' واپس کردیگی تو ''فرم'' کے مالکوں نے گورنمنٹ کے بھیجے ہوئے نمونے کے ''توے'' کو کاٹ کر اپنے تیارشدہ ''توں'' کے برابر کردیا۔ سو یہی حال بریلوی حضرات کا ہے کہ فریق مقابل کے کلام میں تحریف اختیار کرتے ہیں پھر اسی شعر میں اصولی غلطی ہے جس کا کئی دفعہ ذکر ہو چکا ہے یعنی ''خرق عادت'' کو وسائل مادیہ اور ''اسباب عادیہ'' پر قیاس کرتے ہیں۔ اغنیاء سے چندہ مانگنا تو ایسے وسائل ہیں جو انسان کے اختیار میں ہیں اور اولیاء اللہ کو حاضر وناظر سمجھا اور ان کے اندر خدائی اختیارات ماننا یہ کہاں کا مسئلہ ہے؟ قرآن وحدیث میں تو ان کا نام ونشان نہیں سنیے خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔

ان یمسسك اللّٰہ بضر فلا کاشف له الاھو وان یردك بخیر فلا راد لفضله

ترجمہ: اگر اللہ تجھے کوئی دکھ پہنچائے تو اسے کوئی کھولنے والا نہیں اور اگر تیری بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں [1] (الانعام پ ۱۱: ۱۷)

یہ تو قرآنی فیصلہ ہوا اب حدیث کا فیصلہ بھی سن لیجے:

---

(۱) وضاحت، فتوح الغیب صفحہ ۱۸ میں شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب سب کچھ خدا کی طرف سے ہے تو پھر کسی حالت میں اس کا شکوہ نہیں چاہیے ورنہ وہ ناراض ہو کر سب کچھ تجھ سے چھین لے گا اور اس کا شکوہ بھی کس طرح ہو سکتا ہے حالانکہ وہ ارحم الرحمین ہے اور ظالم نہیں۔ کیا شفیق والدین کی بھی کوئی شکایت کرتا ہے؟ اور خداوند تعالیٰ تو اس سے بھی زیادہ مہربان ہے بہرصورت ''رضا بالقضا'' کا مسئلہ ہروقت سامنے رہنا چاہیے۔

لو جمع العباد ان ینفعوك بشی لم یقض الله لك لم یقدروا علیه ولو جمع العباد ان یضروك بشی لم یقض الله علیك لم یقدروا.

اگر سب بندے جمع ہو جائیں کوشش کریں کہ تجھے کوئی نفع پہنچائیں جو خدا نے تجھ پر نہیں لکھا تو وہ اس پر قدرت نہیں رکھتے اور اگر سب بندے تجھے نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہوں جو نقصان اللہ نے تجھ پر نہیں لکھا تو وہ اس نقصان پر قدرت نہیں رکھتے (بلاغ المبین شاہ ولی اللہؒ صاحب مترجم صفحہ ۱۳۵)

یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی ہے ذرا لمبی ہے اس سے پہلے یہ الفاظ بھی ہیں:

اذا سالت فاسل الله واذا استعنت فاستعن بالله (حوالہ مذکور)

"جب تو سوال کرے تو اللہ سے کر اور جب مدد مانگنی ہو تو اللہ سے مانگ۔"

مشکوۃ باب التوکل میں یہ حدیث مسند احمد اور ترمذی کے حوالہ سے ذکر کی ہے الفاظ کا تھوڑا سا فرق ہے مطلب ایک ہی ہے۔

اس حدیث کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم "فتوح الغیب" کے مقالہ ۴۲ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

فینبغی لکل مومن ان یجعل هذا الحدیث مرآة لقلبه وشعاره ودثاره وحدیثه فیعمل به فی جمیع حرکاته وسکناته حتی یسلم وینجح فی الدنیا والاخرة ویجد العزة فیهما برحمته تعالیٰ.

"ہر مومن کو چاہئے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ، بدن کا جامہ اور زبان کا وظیفہ بنائے اور اپنی جملہ حرکات وسکنات (کے بارے میں) اسی پر عمل کرے تاکہ خدا کی رحمت سے دنیا اور آخرت میں نجات وعزت پا سکے۔ (بلاغ المبین مترجم صفحہ ۱۳)

اس کے آگے لکھا ہے:

ما سال من سال الناس الالجهله بالله عزوجل وضعف ایمانه ومعرفته و یقینه وقلة صبره.

''جو (اللہ کو چھوڑ کر) لوگوں سے مانگتا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ خدا سے جاہل ہے اور اس کا ''ایمان'' معرفت اور ''یقین'' ضعیف ہے اور صبر اس کا کم ہے (حوالہ مذکور صفحہ:۱۳۶)

حدیث مذکورہ سے تھوڑا سا پہلے بحوالہ فتوح الغیب (مقالہ ۴۲) لکھا ہے:

من اراد السلامة فی الدنیا والاخرة فعلیه بالصبر والرضی وترك الشكوی الی الخلق وانزل حوائجه بربه عزوجل وانتظار الفرج منه تعالیٰ اذهو خیر من غیره.

''یعنی جو شخص دنیا اور آخرت میں سلامتی کا طالب ہے اس کو چاہئے کہ ''صبر'' کو اپنا شعار بنائے اور خدا کی رضا کے ساتھ راضی رہے اور مخلوق کے پاس شکوہ نہ کرے اور اپنی حاجات اللہ کے سوا کسی سے نہ مانگے اور اللہ کی طرف سے کشادگی کا انتظار کرے کیونکہ وہ غیر سے بہتر ہے۔ (بلاغ المبین مترجم صفحہ ۱۳۴)

مسئلہ توحید بالکل صاف ہو گیا اور رسالہ بریلویہ کی شاہ رگ کٹ گئی۔ اب آگے بحث چلانے کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں مگر صرف اس لیئے چلاتے ہیں کہ بریلوی حضرات کو اغلاط پر مطلع کریں کیونکہ یہ رسالہ مجسمہ اغلاط ہے شاید ان حضرات کو کسی مقام پر ہدایت ہو جائے اور یہی ہماری نجات کا ذریعہ بن جائے۔

وسیلہ استمداد

اس سلسلہ میں صاحب رسالہ نے صفحہ ۲۸ سے صفحہ ۲۹ تک چند آیات اور احادیث ذکر کی ہیں جو قریباً سب کی سب غیر متعلق ہیں۔

اول: پانچویں پارہ کی ''آیت'' جس میں منافقوں کا ذکر ہے کہ یہ لوگ جب گناہ کرتے ہیں اگر نبی ﷺ کے پاس آ کر خود ہی (یہ لوگ) بخشش مانگتے اور آپ بھی ان کے لیئے بخشش کی دعا کرتے تو اللہ تعالی گناہ معاف کر دیتا۔

اس آیت سے نہ ''علم غیب'' ثابت ہوتا ہے اور نہ خدائی اختیارات تو اس کے ذکر کا یہاں کیا فائدہ؟

دوم: وہ ''آیت'' جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ''رحمۃ للعالمین'' ہیں۔

''نبی'' کا آنا بے شک رحمت ہے اس سے کس کو انکار ہے؟ مگر اس سے ''علم غیب'' یا ''خدائی اختیارات'' کس طرح ثابت ہوئے؟

سوئم: نویں پارہ کی آیت کہ ''اے نبی! تو اہل مکہ کے درمیاں ہے اس لیئے عذاب الہٰی نہیں آ سکتا اور ان کے درمیان ''استغفار'' پڑھنے والے نیک بندے ہیں تو اس حالت میں بھی عذاب آ ہی نہیں سکتا۔

اس میں بھی ''علم غیب'' اور ''خدائی اختیارات'' کا کوئی ذکر نہیں۔ ''استغفار'' یا کسی اور نیک عمل کا وسیلہ یا کسی نیک وجود کی برکت تو محل نزاع نہیں۔

مثلاً زمزم کا پانی برکت والی چیز ہے بیت اللہ اور مسجد نبوی با برکت مقام ہیں، حجر اسود برکت والا ہے، مقام ابراہیم (علیہ السلام) برکت والا ہے، رسول اللہ ﷺ کے

کپڑوں میں برکت ہے اور آپ کے بالوں میں برکت ہے۔ صحابہ کرامؓ آپ کے وضو کا پانی اپنے اوپر مل لیتے بلکہ لعاب دھن بھی مل لیتے۔ صفا و مروہ، میدان عرفات، مزدلفہ اور منی جہاں جمرے مارتے ہیں یہ بھی بابرکت مقامات ہیں۔ اس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں وہاں لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ وہی کام ان میں ہوتے ہیں اگر ذرا ادل بدل ہو جائے تو وہ بدعت بن جاتی ہے۔

رسول اللہ کا پانی میں انگلی ڈبونا: رسول اکرم ﷺ جس پانی میں انگلی مبارکہ ڈبو دیتے، اس میں بھی برکت آ جاتی۔ کسی چیز پر اللہ کا کلام پڑھ کر دم کر دیں وہ بھی بابرکت ہو جاتی ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اسے پکاریں یا اس کے پاس ہر قسم کی درخواستیں پیش کرنی شروع کر دیں یا مرادیں مانگنے لگ جائیں وغیرہ وغیرہ بلکہ ہر چیز کے استعمال کا طریقہ الگ ہے۔ بیت اللہ طواف کے لیئے ہے، مقام ابراہیم طواف کے بعد دو رکعت نوافل کے لیئے ہے۔ اگر کوئی الٹ پلٹ کرے تو وہ "بدعت" ہوگا انسان جیسے روٹی سے پیاس بجھانا چاہے تو نہیں بجھ سکتی اگر کوئی دوا کھانے کی ہو تو اس کا "لیپ" نہیں کر سکتے۔ کھانا کھانے کا بھی ایک طریقہ ہی کہ اس طرح یوں پک سکتا ہے غرض کوئی چیز ہو، قاعدہ اور دستور کے مطابق اور اسی طریق سے اس کا استعمال صحیح ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح شریعت میں جو طریقہ اور دستور مقرر ہے اسی پر چلنا چاہیئے اور اپنی طرف سے کوئی نئی بات نہ پیدا کرنی چاہیے جیسے کہ بریلوی حضرات نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ رسول اللہ ﷺ کو اور ان نیک بندوں کو "علم غیب" اور "خدائی اختیارات" حاصل ہیں جب چاہو اور جس مصیبت میں چاہو ان کو پکارو اور ان سے مدد مانگو۔

رسول اللہ کو خدائی اختیارات حاصل نہ تھے: حالانکہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی اور صحابہ کرامؓ کی جو حالت تھی وہی بتارہی ہے کہ ان کو نہ ''علم غیب'' تھا اور نہ ''خدائی اختیارات'' تھے۔ کافروں سے مار کھاتے اذیتیں اٹھاتے کئی دفعہ بعض صحابہ گھبرا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے کہ ''یارسول اللہ! آپ بددعا کیوں نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کفار کو ہلاک کردے'' خود رسول اللہ ﷺ بعض دفعہ گھبرا کر اور تنگ آ کر دعائیں کرتے۔

اللهم انی اشكوا اليك ضعف قوتی وقلة حيلتی وهوانی علی الناس.

یا اللہ! میں بہت کمزور ہوں اور میرا کوئی حیلہ وسیلہ نہیں۔ میں لوگوں پر بہت ضعیف ہو رہا ہوں ان باتوں کی شکایت تیرے پاس کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔

اذیت ناک سفر: خاص کر طائف کے موقعہ پر تو اتنی تکلیف پہنچی کہ خصوصیت سے آپ اس کا ذکر کرتے اور فرماتے کہ زندگی میں مجھے ایسا صدمہ نہیں ہوا۔ میں طائف کے سردار عبد یالیل کے پاس اس لیئے اور اس خیال سے گیا تھا کہ وہ مجھے جگہ دے اور میری امداد کرے تاکہ میں تبلیغ کروں۔ لوگوں کو اللہ کے احکام سناؤں مگر عبد یالیل نے میری امداد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اوھر لوگوں نے پتھراؤ سے مجھے لہولہان کر دیا یہاں تک کہ میرے ہوش وحواس قائم نہ رہے۔ غرض مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے جن کی داستان بہت لمبی ہے اگر ''علم غیب'' ہوتا تو طائف جاتے ہی کیوں؟ اور عبد یالیل سے امداد کی درخواست ہی کیوں کرتے؟ اگر خدائی اختیارات ہوتے تو اتنی مصیبتیں کیوں جھیلتے؟ یہاں تک کہ کئی صحابہؓ انہی حالات میں شہید ہوگئے اور اتنی ماریں کیوں کھاتے؟ کمزوروں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کیوں فرماتے۔

هل تنصرون وترزقون الا بالضعفاء.

تمہیں مدد اور رزق کمزوروں کی وجہ سے ملتا ہے۔ (رواہ البخاری مشکوۃ باب الفقر جلد ۲ صفحہ ۴۴۶)۔

کیا ان (کمزوروں) کو خدائی اختیارات ہیں؟ پھر بچوں اور چوپایوں کو بھی خدائی اختیارات ہونے چاہئیں کیونکہ حدیث میں ہے: **لولا عباد اللّٰه رکع وصبية رضع و بهائم رقع لصب عليكم عذاب صبا ثم رص رصا،**

ترجمہ: اگر اللہ کے بندے نمازی یا بوڑھے جن کی کمریں بڑھاپے سے جھک گئی ہیں اور بچے دودھ پینے والے اور چوپائے نہ ہوتے تو تم پر ضرور عذاب بھیجا جاتا پھر تہ بہ تہ کیا جاتا یعنی (عذاب) سخت کیا جاتا آمدم برسر مطلب۔ (جامع صغیر امام سیوطی بحوالہ بیہقی صفحہ ۱۳۳)

ولیوں کے پاس بھی خدائی اختیارات نہیں: کئی صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ کیا اس قسم کے ہزاروں واقعات اس بات کی کافی دلیل نہیں کہ ''نبیوں، ولیوں'' کو نہ ''علم غیب'' ہے نہ ''خدائی اختیارات'' ہیں۔ پھر اگر کسی وجود کی برکت سے عذاب کا ٹل جانا اس کو خدائی اختیارات مل جانے کی دلیل بنالیا جائے تو پھر ''بیت اللہ'' کے اختیارات بھی بڑے وسیع ہونے چاہئیں کیونکہ بیت اللہ کی برکت سے اصحاب الفیل (ہاتھیوں والے) بری طرح تباہ ہوئے جن کا ذکر سورہ فیل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **الم تر كيف فعل ربك باصحاب الفيل** کیا تو نے دیکھا نہیں کہ ہاتھی والوں کے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ (پارہ ۳۰)

معجزات وکرامات خدائی اختیارات کی دلیل نہیں: خلاصہ یہ کہ نہ معجزات وکرامات ''علم غیب'' یا ''خدائی اختیارات'' کی دلیل ہیں اور نہ کسی کے وجود کی برکت سے کوئی کام

ہونا علم غیب یا خدائی اختیارات پر دلالت کرتا ہے بلکہ ان کا آپس میں کوئی کنکشن ہی نہیں۔ بریلوی حضرات اس قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں، غور سے کام نہیں لیتے چنانچہ اس رسالہ میں آگے بھی اس قسم کی آیات واحادیث پیش کی گئی ہیں۔

چوتھی آیت: سترہ پارہ رکوع ۱۳ میں ہے'' کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کی بعض لوگوں سے مدافعت نہ کرتا تو ''عبادت خانے'' ڈھا دیئے جاتے۔

یعنی جنگ کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس لیئے دیا ہے کہ مسلمانوں کے ذریعہ کفارہ کا شر دور کرے تا کہ عبادت خانے قائم رہیں۔ اس آیت کا بھی ''علم غیب'' اور ''خدائی اختیارات'' سے کوئی تعلق نہیں اگر مسلمانوں کو خدائی اختیارات ہوتے تو جنگ کی ضرورت ہی نہ تھی ایک ہی مسلمان سب کفار کے لیئے کافی ہوتا۔

پانچویں آیت: **انما ولیکم اللّٰہ و رسوله والذین آمنوا۔**

تمہارا ''ولی'' صرف اللہ، اس کا رسول ﷺ اور ایمان والے ہیں۔ (پارہ رکوع ۱۲)

یہ آیت لکھ کر صاحب رسالہ لکھتے ہیں کہ،

یہاں اللہ، رسول اور نیک بندوں میں مدد کو منحصر فرمادیا کہ بس یہی لوگوں کے مددگار ہیں تو ضرور یہ ''مدد'' خاص ہے جس پر نیک بندوں کے سوا اور کوئی قادر نہیں ورنہ عام مددگاری کا علاقہ تو ہم میں سے ہر مسلمان کو ہر مسلمان کے ساتھ ہے۔

والمومنون والمومنات بعضهم اولياء بعض،

''مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

(پارہ ۱۰ سورہ توبہ آیت ۷۱)

آیت کے استدلال میں غلطی

پہلی غلطی: اس آیت کے استدلال میں کئی غلطیاں ہیں اور یہ کہ اس ''آیت'' میں ''ولی'' کے معنی مددگار کے کیئے ہیں حالانکہ اس کے معنی دوست کے بھی ہو سکتے ہیں بلکہ بہت سی تفسیروں میں ''دوست'' ہی کے معنی لکھے ہیں پس الاستدلال کی جڑ ہی کٹ گئی کیونکہ.

اذاجاء الاحتمال بطل استدلال.

دوسری غلطی: یہ ہے کہ اس آیت میں مخاطب اول صحابہؓ ہیں کیونکہ آیت صحابہؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ صحابہؓ کے ولی ''اللہ'' ''رسول'' اور ''مومن'' ہیں اور صحابہؓ اول درجہ کے مومن ہیں، تو مومن مومنوں کے ولی ہو گئے اور یہ آیت **والمومنون والمومنات** کی طرح ہوگئی جس سے مدد مراد لی ہے (جو اسباب عادیہ کے ساتھ ہوتی ہے) پس خود صاحب رسالہ ہی نے استدلال غلط بنادیا مگر علم کی کمی کی وجہ سے پتہ نہ چلا۔

تیسری غلطی: یہ ہے کہ اس سے پہلے یہود ونصاری کو ''ولی'' بنانے سے منع کر کے پھر فرمایا ہے کہ تمہارے ''ولی'' صرف اللہ، رسول اور مومن ہیں تو گویا یہ حصہ اضافی ہوا۔

یعنی یہود ونصاری تمہارے ولی نہیں بلکہ ''اللہ'' ''رسول'' اور ''مومن'' ولی ہیں پس اس صورت میں اگر بالفرض ''ولی'' کے معنی مددگار کے ہیں تو مدد خاص لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ جس مدد کی نفی یہود ونصاری کے لیئے ہے وہی ''اللہ'' ''رسولؐ'' اور ''مومنوں'' کے لیئے ثابت کی ہے اور وہ عام مدد ہے جو مسلمان آپس میں کرتے ہیں جو ''اسباب عادیہ'' کے تحت ہے۔ بریلوی حضرات نے یہاں عجیب روایہ اختیار کیا ہے یہود ونصاری والی بات

ہی چھوڑ دی گویا صرف لاتقربو الصلوۃ پڑھا اور آگے دیکھا ہی نہیں۔ اللہ ان کو ہدایت کرے۔(1)

چھٹی آیت: ان رحمۃ اللّٰہ قریب من المحسنین۔

"بلاشبہ اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔ (پارہ ۸ رکوع ۱۴ آیت ۶۵)

مطلب یہ لکھا ہے کہ اگر "اللہ کی رحمت کے متلاشی ہو تو نیکوکاروں کے سایہ میں آؤ (یعنی ان کو پکارو اور ان سے مرادیں مانگو) حالانکہ آیت کا مطلب واضح ہے کہ نیک بنو تا کہ تم رحمت کے مستحق ہو جاؤ کیونکہ برے لوگوں سے رحمت دور ہے۔ مگر بریلوی حضرات کو الٹی ہی سوجھتی ہے اس کے علاوہ یہاں بھی بریلوی حضرات نے لاتقربوا الصلوۃ پڑھا ہے اور "وانتم سکاری" کو چھوڑ دیا ہے۔

ان رحمۃ اللّٰہ سے پہلے یہ الفاظ ہیں وادعوہ خوفا وطمعا یعنی اللہ سے ڈر کر اور اللہ پر امید رکھ کر اللہ کو پکارو۔ خیال فرمائیے کہ آیت تو کہتی ہے اللہ کو پکارو۔ یہ حضرات کہتے ہیں نیک کاروں کو پکاو۔ یہ کس قدر خیانت اور تحریف ہے۔ پھر کلام الٰہی کے ساتھ ایسا سلوک۔ اناللہ....

ساتویں آیت: انعم اللّٰہ علیہ وانعمت علیہ

"اے محمدؐ! اللہ نے اس پر انعام کیا کہ اس کو "اسلام" نصیب کیا اور تو نے اس پر انعام کیا کہ اس کو آزاد کر دیا۔ (پارہ ۲۲ رکوع ۲)

اس میں رسول اللہ ﷺ کے لے پالک پالتو بیٹے زید بن حارث کا بیان ہے۔

---

(۱) نوٹ بریلوی حضرات نے یہاں ایک آیت ہی اپنی طرف سے بنا کر لکھدی ہے مالھم من دونہ من ولی یہ آیت قرآن میں کہیں نہیں خدا تعالیٰ افتراء سے بچائے۔

اس آیت کا ''استمداد'' کے مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں صرف جاہلوں کی نظروں میں دلائل کی تعداد کو بڑھا رہے ہیں تا کہ ان پر اثر ہو جائے۔

آٹھویں آیت: بھی اس قسم کی ہے اس میں صدقات وغیرہ کی تقسیم کا ذکر ہے رسول اللہ ﷺ کی تقسیم ''صدقات'' پر منافق خوش نہیں تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان (منافقین کے لیے بہتر تھا کہ وہ خدا اور رسول ﷺ کی تقسیم پر راضی ہوتے اور یہ کہتے۔

﴿سیو تینا اللّٰہ من فضلہ ورسولہ انا لی اللّٰہ راغبون﴾

''عنقریب اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول ﷺ (صدقات اور غنائم سے) دیں گے بیشک ہم صرف اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

(پارہ ۱۰ آیت ۵۹)

اس میں صدقات وغیرہ کی تقسیم کا ذکر ہے رسول اللہ ﷺ کی تقسیم (صدقات) پر منافق خوش نہیں تھے۔

پھر تفسیر جلالین اور جامع البیان وغیرہ میں بھی یہی معنی لکھے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صدقات اور غنائم سے دیں گے۔

بتلائیے!: اس میں کونسی نئی بات ہے یہ سب کچھ ''اسباب عادیہ'' کے تحت ہے رسول اللہ ﷺ بھی تقسیم کرتے رہے اور امراء و وزراء بھی کرتے رہے۔

بریلوی استدلال برائے استمداد: اس سلسلہ میں صاحب رسالہ نے نو احادیث ذکر کی ہیں جو کہ سب ''اسباب عادیہ'' کے تحت اور پھر احادیث صحیح بھی نہیں۔

پہلی حدیث: اطلبو الحوائج الی ذوی الرحمۃ من امتی.

یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے اور اس میں یہ لفظ بھی موجود ہے **ولا تطلبوا من القاسیة قلوبھم** یعنی اپنی ضرورتیں نرم دل لوگوں سے مانگا کرو، نہ کہ سخت دل لوگوں سے اور اس کے راوی حضرت عباسؓ ہیں۔ صاحب رسالہ نے چونکہ ''نرم دل'' سے ''ولی'' اور ''بزرگ'' مراد لیے ہیں اس لیئے سخت دل کا لفظ حذف کر دیا ہے تا کہ عام لوگ سمجھ نہ جائیں کیونکہ عام لوگ مراد ہونے کی صورت میں وہ ضرورتیں مراد ہونگی جو عام لوگ پوری کر سکتے ہیں جو ''اسباب عادیہ'' کے تحت ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر سخت دل کا لفظ نہ ہو تا تو پھر بھی ''نرم دل'' سے ''ولی'' مراد لینے پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ ''نرم دل'' عام لوگ بھی ہوتے ہیں پس سخت دل کا (انسان) ہو یا نہ ہو ضرورتوں سے مراد وہی ضرورتیں ہیں جو ''اسباب عادیہ'' کے تحت ہیں۔

یہ حدیث ضعیف ہے: اس کے علاوہ یہ حدیث ضعیف ہے اگر اس کے ضعیف ہونے کی تفصیل دیکھنی ہو تو اس کے لیئے ملاحظہ ہو ''فتح القدیر'' شرح جامع صغیر از امام سیوطیؒ جلد اول صفحہ ۵۴۰، ۵۴۴، ۵۴۵ اس کی کسی نے تائید نہیں کی اور اس روایت کی موافق کوئی حدیث نہیں اور اس کا راوی داود بن ابی ہند اس کا بھی کوئی پتہ نہیں کہ یہ کون ہے؟ اور اس کی روایت باطل ہے۔ اور میزان الاعتدال میں امام ذہبیؒ بھی اس طرح لکھتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند میں محمد بن مرزان سدی ہے اور میرا خیال ہے کہ محمد بن مرزان کی کنیت ابوعبدالرحمان ہے اور عقیل کی عبارت میں ''ابو'' کا لفظ گر کر عبدالرحمان رہ گیا ہے گویا کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں اور محمد بن مرزان کے متعلق عراقی لکھتے ہیں کہ یہ انتہائی ضعیف ہے اور عراقی کے آگے

شاگرد ہشیمی کہتے ہیں ''متروک'' ہے یعنی محدثینؒ نے اس کو ترک کردیا ہے اور (حدیث) کے دوسرے لفظ "اطلبوا الفضل" کی سند یہی ہے اور تیسرے لفظ "اطلبوا المعروف" کی سند میں ایک راوی اصبغ بن نباتہ ہے۔ امام ذہبیؒ کہتے ہیں ''واہ جدا'' یعنی بہت ردی ہے اور دوسرا راوی اس میں حبان بن علی ہے۔ امام ذہبیؒ کہتے ہیں کہ اس کو بھی محدثین نے ضعیف کہا ہے پس حدیث تمام الفاظ کے ساتھ ضعیف ہوئی اور قابل استدلال نہ رہی خاص کر ''استمداد توحید'' میں۔

دوسری حدیث: دوسری حدیث چالیس ابدالوں کے بارے میں ذکر کی ہے۔

لایزال اربعون رجلا من امتی قلوبھم علی قلب ابراھیم یرفع اللہ بھم عن اھل الارض البلاء یقال لھم الابدال (ابونعیم فی الحلیہ عن عبد اللہ بن مسعودؓ)

''میری امت میں چالیس مرد ہمیشہ رہیں گے کہ ان کے دل ابراہیم علیہ السلام کے دل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سبب زمین والوں سے "بلاء" دفع کرے گا ان کا لقب ابدال ہوگا۔

تیسری حدیث: تیسری حدیث بھی ''ابدال'' کی ہے جو بحوالہ خلال ذکر کی ہے اس کے راوی عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ ان دونوں حدیثوں کا مطلب وہی ہے جو حدیث **ترزقون وتنصرون الا بضعفاء کم** کا ہے جو آیت ۲ کے ضمن میں گزر چکی ہے پھر ''ابدال'' کی یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔ ملاحظہ ہو مقاصد حسنہ امام سخاوی وغیرہ۔

چوتھی حدیث: چوتھی حدیث یہ ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کے سبب ان کی ہمسایوں میں سے سوگھر والوں کی ''بلاء'' دفع کرتا ہے۔اس کے راوی ابن عمرؓ ہیں انہوں نے پھر یہ آیت پڑھی۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض (پارہ۲رکوع آخر)

یہ حدیث ''ابدال'' والی حدیث کی طرح ضعیف ہے پھر اس مین یحیٰ بن سعید عطار راوی ہے جو ضعیف ہے (ملاحظہ ہو فتح القدیر شرح جامع صغیر صفحہ۲۶۱)

پانچویں حدیث: یہ ہے کہ جو شخص ہر روز مومن مردوں اور عورتوں کے لئے ۲۷ دفعہ بخشش مانگے وہ مستجاب الدعوات لوگوں میں ہوتا ہے جن کی برکت سے اہل زمین کو رزق ملتا ہے۔ طبرانی کبیر میں یہ سند حسن (1) سے روایت کی گئی ہے۔

چھٹی حدیث: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بے شک میں اہل زمین کے عذاب کا تصور ہوں پھر جب میرے گھر آباد کرنیوالے ''یعنی مسجدیں آباد کرنیوالے'' میری خاطر باہمی محبت رکھنے والے پچھلی رات استغفار کرنیوالے دیکھتا ہوں تو اپنا عذاب ان سے پھیر لیتا ہوں۔بیہقی نے شعب الایمان میں انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے اس میں صالح بن بشیر بن وادع المری ہے جس کو امام نسائی وغیرہ نے متروک کہا ہے (فتح القدیر شرح جامع صغیر جلد۲ صفحہ۳۱۴)

---

(۱) وضاحت: اس (حدیث۵) کی سند کو ''حسن'' کہنا ہی غلط ہے کیونکہ اس میں عثمان بن ابی عاتکہ راوی ہے اگر چہ بعض نے اس کی توثیق کی ہے۔مگر جمہور نے اس کو ضعیف کہا ہے نیز یہ حدیث منقطع ہے اور منقطع ضعیف ہوتی ہے ملاحظہ ہو (مجمع الزوائد جلد۱۰ صفحہ۲۱۰) اس کے علاوہ یہ حدیث ابدال والی حدیث کی طرح ہے پس جو ابدال والی حدیث کا مطلب ہے وہی اس کا ہے۔

نیز یہ بھی ابدال کی حدیث کی طرح ہے جسکا جواب اوپر پہلے چکا ہے۔

سا تویں اور آٹھویں حدیث: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کی بھلائی چاہتے ہیں تو اسکو لوگوں کی حاجت روائی کا مرجع بنا دیتے ہیں۔ ''دیلمی'' نے مسند الفردوس میں روایت کی ہے (صفحہ ۲۸)

آٹھویں حدیث بھی یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتے ہیں۔ اس کے راوی ابن عباسؓ ہیں۔ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت کی ہے (صفحہ ۲۸)

اس حدیث میں یحییٰ بن شعیب راوی ہے جس کو ابن حبان نے ضعیف کہا ہے۔
امام ذہبیؒ نے ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ اس کی اسناد ٹھیک نہیں۔
(فتح القدیر شرح جامع الصغیر جلد اول صفحہ ۲۵۸)

یہ حدیث اپنا مطلب آپ بتلا رہی ہے مگر بریلوی حضرات کا مبلغ ''علم'' تھوڑا ہے اس لیئے ان کی سمجھ میں نہیں آیا ''بھلائی کا ارادہ'' ولی اور محبوب بنانا چاہتا ہے پس مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنا محبوب اور ولی بنانا چاہتے ہیں تو اس کو ''خدمت خلق'' ایسے نیک عمل کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں گویا اس حدیث میں ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ حسب توفیق خدمت خلق ایسے عمل میں کوشش کر کے ''رضاء الہٰی'' اور اس کی محبت کا درجہ حاصل کرو۔ بریلوی حضرات نے اس کا مطلب یہ بنالیا ہے کہ جو ''خدمت خلق'' کر رہا ہے اس سے مانگو اور اسی کو پکارو۔ پھر دوسری غلطی بریلوی حضرات نے یہ کی کہ اس خدمت خلق کو عام کر رہا ہے (کا مطلب یہ سمجھ لیا) کہ یہ بزم حیات میں بھی خدمت خلق

کرتا ہےاور وفات کی بعد بھی اور اسی بناء پر بریلوی حضرات فوت شدگاں کو وفات کے بعد بھی پکارتے ہیں اور مرادیں مانگتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں اس کا نام ونشان نہیں۔

نویں حدیث: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں کوئی ایسا نہیں کہ میں اس کی کمر پکڑے روک نہ رہا ہوں کہ کہیں وہ آگ میں نہ گر پڑے۔

یہ حدیث مشکوۃ باب الاعتصام فصل اول میں ذرا تفصیل کی ساتھ موجود ہے اس میں تصریح مثال کے طور پر ہے گویا آپ تبلیغ میں اتنی جدوجہد کرتے ہیں جیسے کوئی کمریں پکڑ پکڑ کر ہلاکت سے بچاتا ہے۔ بریلوی حضرات نے مشکوۃ تو دیکھی نہیں طبرانی کبیر پر نظر جا پڑی جو نایاب ہے۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ اصل کتاب سے حوالہ نہیں لکھا گیا بلکہ اکثر احادیث جوگزر چکی ہیں یا آئندہ آئیں گی ان سب کے حوالے اسی طرح کے ہیں مقصد ان کا یہ ہے کہ احادیث پر پردہ پڑا رہے نہ صحت وضعف کا پتہ لگے نہ اصل مطلب کا لیکن بریلوی حضرات کو یاد رکھنا چاہیے کہ دائی سے پیٹ چھپانا مشکل ہے۔ اہل حدیث، حدیث کا کھوج نکال ہی لیتے ہیں خواہ کہیں ہو۔ وللہ الحمد۔

منکرین اولیاء اللہ کا استدلال، صاحب رسالہ نے صفحہ ۲۹ میں یہ عنوان قائم کرکے ''اہل توحید'' کو ''اولیاء اللہ'' کا منکر بتلایا ہے جیسے کفار مکہ وغیرہ اہل اسلام کو ''صابی'' (لامذہب) کہتے تھے لیکن اصل بات پر پردہ ڈالا ہے کہ یہ لوگ زبردستی ''محمدؐ'' کا نام ''مذمم'' رکھتے ہیں ورنہ ''اولیاء اللہ'' سے کسی کو انکار نہیں۔

اولیاء اللہ کا معنی: صرف فرق اتنا ہے کہ بریلوی حضرات اولیاء اللہ کے معنی کرتے ہیں کہ جن کو خدائی اختیارات حاصل ہیں اور ''اہل توحید'' اولیاء اللہ کے معنی کرتے ہیں ''اللہ کے پیارے۔''

اب دیکھنا چاہیے کہ قرآن وحدیث کی رو سے کون سا معنی صحیح ہے گزشتہ اوراق میں ثابت ہو چکا ہے کہ خدائی اختیارات کسی کو نہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ دوسرا معنی صحیح ہے اور اسی کی قرآن مجید شہادت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الا ان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون.

''خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔ (پارہ ۱۱ آیت ۶۲،۶۳)

اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جن میں ایمان اور پرہیزگاری ہو خدائی اختیارات کا نام ونشان نہیں۔

اس کے بعد صاحب رسالہ نے صفحہ ۳۰ سے صفحہ ۳۴ تک قرآن مجید سے چھ آیتیں ذکر کی ہیں اور کہا ہے کہ یہ مشرکین اور بتـــوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں مگر منکرین اولیاء (ان آیتوں کو) اولیاء اللہ پر چسپاں کرتے ہیں۔

پہلی آیت: وقالوا اتخذالرحمن ولدا سبحانہ بل عباد مکرمون.

''مشرک کہتے ہیں اللہ بیٹا رکھتا ہے یعنی فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اللہ اس سے پاک ہے بلکہ فرشتے معزز بندے ہیں۔ (پارہ ۱۷ ارکوع ۲)

دوسری آیت: وقالوا اتخذ الرحمن ولدا لقد جئتم شیئاً ادا،

''مشرکین نے کہا خدا بیٹا رکھتا ہے بے شک یہ بڑی بھاری چیز ہے۔ یعنی بہت بڑا بہتان ہے۔ (مریم: پارہ ۱۶)

صاحب رسالہ نے پہلی آیت کے بعد لکھا ہے کہ کیا کوئی مسلمان ہے جو انبیاءؑ ''اولیاء'' ''فرشتگان'' کوخدا کا بیٹا یا بیٹی کہتا ہو یا ان کو معبود سمجھتا ہو(صفحہ ۳۰)

دوسری آیت کے بعد بھی قریباً یہی لکھا ہے، بریلوی حضرات نے یہ الفاظ لکھ کر ظاہراً تو اپنی بریت کی ہے مگر درحقیقت خود کو ''اسلام'' سے خارج کرلیا کیونکہ کوئی مسلمان یہ نہیں کہتا لیکن بریلوی یہ کہتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ مسلمان نہ رہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ بریلوی حضرات محمد ﷺ کو خدا کے نور سے ''نور'' مانتے ہیں اگر اس سے ذاتی نور مراد ہو تو آپ اللہ کا جز ہو گئے جیسے اولاد جز ہوتی ہے اور اگر مخلوق نور مراد ہیں تو پھر آپ کی کوئی خصوصیت نہیں۔

فرشتے بھی نور ہیں۔ رہی یہ بات کہ آپ کو فرشتوں پر فضیلت ہے تو یہ فضیلت خاکی ہونے کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے۔

اہل سنت کا عقیدہ: اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ عام مومن عام فرشتوں سے۔ افضل ہیں اور خاص مومن خاص فرشتوں سے بتلایئے نوری ہونے سے کیا نور برسا؟ جس میں بریلوی حضرات بحثیں کرکے آسمان وزمین کے قلابے ملا دیتے۔ کیا دنیا کی عورتیں جنت میں حوروں کی سردار نہیں ہوں گی حالانکہ حوریں نور سے ہیں۔ یہ تو ابلیس کا خیال تھا کہ ''نار'' ''خاک'' سے بہتر ہے حالانکہ بہتر وہ ہے جس کو اللہ نوازے۔

بزرگی کا معیار: قرآن مجید میں ہے: **ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم** یعنی اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **واللّٰہ انی لاخشاکم للّٰہ واتقاکم لہ.**

اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں۔ (مشکوۃ باب الاعتصام فصل اول جلد ۱ صفحہ ۲۷)

بریلویوں کے نزدیک بزرگی کا معیار: بریلوی حضرات نے بزرگی ''نور'' سے ''نور'' ہونے میں سمجھ رکھی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں (بزرگی کا) معیار الگ ہے بلکہ بریلوی حضرات اس سے بھی بڑھا دیتے ہیں چنانچہ ان کے یہاں مشہور ہے۔

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا تھا مدینے میں مصطفیٰؐ ہو کر

(الفقیہ ۱۵ جنوری ۱۹۲۱ء)

انجمن نقشبندیہ قصور نے ۱۳۷۳ھ میں ''حج فقیر بر آستانہ پیر'' ایک رسالہ چھاپا تھا جو پیر نور محمد صاحب نقشبندی کی تصنیف ہے اس میں بحوالہ ''دیوان غلام فرید چشتی'' چاچڑاں بہاول پور نے صفحہ ۲۰ پر لکھا ہے۔

چاچڑ وانگ مدینہ جانم کوٹ مٹھن بیت اللہ

ظاہر دے وچ مرشد ہادی باطن دے وچ اللہ

شموس القادریہ تدفع الحیل الوہابیہ کے صفحہ ۲۲۰ پر رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ''بریلویہ'' کا عقیدہ لکھا ہے آپ من کل الوجوہ متصف باری عز اسمہ کے ہیں یعنی آپؐ ''الہ'' ''رب العالمین'' کے تمام اوصاف سے متصف ہیں۔ کراچی سے ایک رسالہ ''درس توحید'' شائع ہوا ہے اس میں بریلویہ کا عقیدہ لکھا ہے:

شریعت کا ڈر ہے نہیں صاف کہہ دوں اللہ خود رسولؐ خدا بن کے آیا

اور شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

مولانا اسرار الحق کا شاہی مسجد میں درس:۔

۱۹۱۴ء کا واقعہ ہے میں رامپور مدرسہ عالیہ سرکار میں۔زیر تعلیم تھا۔ایک دن شاہی جامع مسجد نماز کے لیئے گیا۔ایک صاحب وہاں تشریف لائے ،مولویانہ شکل، کمر میں تلوار نام ان کا غالباً اسرار الحق بتایا گیا۔لوگوں نے ان کو درس کے لیئے مجبور کیا۔پوچھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مولوی ارشاد حسین صاحب کے بھائی۔(۱)

نواب (رام پور) صاحب کے مصاحبوں میں سے قلعہ میں رہتے تھے جہاں نواب صاحب رہتے کبھی کبھی شاہی جامع مسجد میں تشریف لاتے۔لوگ ان کے درس (سننے) کا بہت شوق رکھتے خیرانہوں نے ''الحمد شریف'' کا درس دیا۔درس کیا تھا کلام الہی کی تحریف تھی کہا محمد ﷺ اور اللہ میں کوئی فرق نہیں اس لیئے "الحمدللہ" "محمد ﷺ کی حمد ہے" رب العالمین بھی وہی ہیں جہانوں کی تربیت وہی کرتے ہیں کیونکہ ان کو پورے اختیارات دے دیئے گئے ہیں اور ''رحمان ورحیم بھی ان ہی کی شان ہے وہ "رحمۃ العالمین " ہیں"مالک یوم الدین " بھی ان ہی کی صفت ہے''جزا اور سزا'' ان ہی کے ہاتھ میں ہوگی کیونکہ شفاعت کے مالک وہی ہیں''ایاک نعبد ''میں''عبادت'' سے مراد ان کی غلامی ہے سو ہم ان ہی کی غلامی کرتے اور ان ہی سے مدد مانگتے ہیں پھر یہ شعر پڑھا۔

شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے   محمدؐ سرِ قدرت ہے کوئی رمز اسکی کیا جانے

کہا لوگ اس کا مطلب غلط سمجھتے ہیں لفظ''جانے'' کو خدا کے ساتھ ملا دیتے ہیں حالانکہ کلام''خدا''پر ختم ہے اور''جانے'' کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اس کو جانے اور سمجھے اور

---

(۱) یہ وہی ارشاد حسین رامپوری ہیں جنہوں نے محدث ہند نذیر حسین محدث دہلوی کی کتاب معیار الحق کے جواب میں انتصار الحق بجواب معیار الحق تصنیف فرمائی۔

اس کے موافق عقیدہ رکھے۔لوگ سن سنکر عش عش کر رہے تھے اور میں غیرت کے مارے پیچ وتاب کھا رہا تھا اور بے بس تھا۔(۲)

اب بریلوی حضرات کتنی ہی صفائی پیش کریں اپنی شنید اور چشم دید چیز نہیں جھٹلائی جاسکتی خاص کر اشعار بالا مذکورہ اس کی تصدیق کر رہے ہیں۔ بریلوی حضرات کا یہ اٹل عقیدہ ہے کہ **انا عرب بلا عین و انا احمد بلا میم**

یہاں یہ بات صاحب رسالہ نے بالکل ٹھیک لکھی ہے کہ مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں

---

(۲) وضاحت انا عرب بلا عین و انا احمد بلا میم کی وضاحت اور ترجمہ بریلوی حضرات کی زبان سے یہ ہے۔

اٹھا کر 'میم' کا گھونگھٹ جو جھانکا تیری کمل کو — تو دیکھا ذات احمد میں 'احد' روپوش رہتا ہے

چنانچہ دوسرا شعر ہے۔

ہمارے سرورؐ عالم کا مرتبہ کوئی کیا جانے — خدا سے ملنا چاہے تو محمد کو خدا جانے

ساری دنیا جانتی ہے کہ سورۃ فاتحہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا اقرار، اور اسی سے استعانت اور عبدیت کی دعا ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصریح اقسمت الصلوۃ میں فرمائی ہے ملاحظہ ہو مشکوۃ باب القراءۃ فی الصلوۃ، لیکن مولوی اسرار الحق صاحب نے اس کلام کی بھی تحریف کر دی۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب ''الملل والنحل'' میں لکھتے ہیں کہ شیعہ میں ایک فرقہ اس قدر غلو کر گیا ہے کہ محمد ﷺ کی نبوت کو بھی صحیح نہیں سمجھتا کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو علیؓ کی طرف بھیجا تھا وہ غلطی سے محمد ﷺ کو ''نبوت'' دے گئے، سو ایسا ہی بریلوی حضرات نے کیا ہے کہ معاذ اللہ محمد ﷺ نے غلطی کی تھی کہ سورۃ فاتحہ اللہ تعالیٰ پر چسپاں کر دی حالانکہ اللہ نے معاذ اللہ آپ کے حق میں اتاری تھی۔

ہوسکتا کہ اللہ کے لیئے ''بیٹے'' یا ''بیٹی'' ثابت کرے یہ عقیدہ مشرکین اور کافرین کا ہے۔

اعاذنا اللہ لیکن اب بریلوی حضرات کو کیا ہوا جو اس سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول کو ایک (ہی چیز) سمجھ رہے ہیں۔

ایک بات صاحب رسالہ نے یہاں اور بھی عجیب لکھی ہے کہ موحدین فرشتوں وغیرہ کی شفاعت کے قائل ہیں جو اللہ کے ''اذن'' سے ہوگی اس پر صاحب رسالہ لکھتے ہیں۔

کیوں صاحب! ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت ہوتی ہے جس کے باعث ان سے معجزات، کرامات اور خوارق عادات صادر ہوتے ہیں ان کی ذاتی قوت کے ماننے والے کو ہم بھی مشرک ہی جانتے ہیں (صفحہ ۳۰،۳۱)

شفاعت باذن اللہ اور خدائی اختیارات میں فرق: بریلوی حضرات کا مبلغ علم دیکھیئے کہ کہاں شفاعت باذن اللہ اور کہاں خدائی اختیارات؟ شفاعت بالاذن، کے معنی تو یہ ہیں کہ بندے کو کسی قسم کا اختیار نہیں یہاں تک کہ خود بخود شفاعت بھی نہیں کرسکتا۔ پہلے ''اذن'' ملے تب زبان کھولے۔ اور ''خدائی اختیارات'' کے یہ معنی ہیں کہ بندہ جو چاہے کرے لیکن بریلوی حضرات خوش ہیں کہ ''شفاعت باذن اللہ'' سے خدائی اختیارات بھی ثابت ہو گئے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

خدا کی شان! اسلام کے مدعیوں اور کلمہ پڑھنے والوں کا عقیدہ کفار مکہ وغیرہ سے بھی بدتر ہوگیا وہ تو اپنے معبودوں وغیرہ کو صرف سفارشی سمجھتے ہیں۔

قرآن پاک میں ہے: **ویقولون ھولاء شفعاء ونا عنداللہ**، یعنی کافر کہتے ہیں کہ یہ ہمارے معبود خدا کے پاس ہمارے سفارشی ہیں اور بریلوی حضرات کا عقیدہ ہے کہ بزرگوں کو کل اختیارات حاصل ہیں جو چاہیں کریں۔

بہ ہیں تفاوت از کجا است تا بہ کجا

تیسری آیت: اس کے بعد تیسری آیت صاحب رسالہ نے یہ لکھی ہے:

﴿**اولئك الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة**﴾ (بنی اسرائیل) اس آیت کے متعلق پوری بحث پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

چوتھی آیت: **ومن اضل ممن يدعوا من دون الله من لا يستجيب له الى يوم القيامه**،

اس پر بھی پچھلے صفحات میں بحث گزر چکی ہے۔

پانچویں آیت: **ویعبدون من دون الله مالا یضرھم ولا ینفعھم**،

ترجمہ: مشرک اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتی ہوں اور نہ فائدہ۔ (پارہ ۱۱ رکوع ۷)

چھٹی آیت: ﴿**قل افرايتم ما تدعون من دون الله**﴾

"اے پیغمبر! لوگوں سے کہو بھلا دیکھو تو سہی کہ اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو، اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہیں تو کیا یہ (معبود) اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں (پارہ ۲۴ رکوع ۱)

صاحب رسالہ چوتھی آیت کے بعد لکھتے ہیں ''یہ آیت کریمہ مشرکین کے بارے میں ہے۔''

لفظ ''ما'' غیر ذوی العقول کے لیئے موضوع ہے جس سے ''اصنام'' مراد ہیں۔

پانچویں آیت کے بعد لکھا ہے کہ من دون اللہ سے مراد ''اللہ'' کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اور ''اولیاء اللہ'' سے مدد مانگتے تو خدا کے مقرب بندے ہیں ان کو معبود تو معاذ اللہ کوئی مسلمان نہیں سمجھتا۔ اولیاء اللہ پر ایسی بات چسپاں کرنا صریحاً نص قرآن کے خلاف ہے (صفحہ ۳۳)

خیال فرمایئے کہ جب محمد ﷺ کو عین خدا کہہ دیا اور ان کو خدائی اختیارات دے دیئے اور اسی بناء پر ان سے مرادیں بھی مانگی جاتی ہیں اور مصائب میں ان کو پکارا جاتا ہے تو معبود بنانا اور کس کو کہتے ہیں؟

اور لفظ ''ما'' کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ اختلافی چیز ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت سی جگہ لفظ ''ما'' غیر ذو العقول کے علاوہ بھی استعمال میں آیا ہے چنانچہ سورۃ ''والشمس'' میں اور ''واللیل'' میں ''اللہ تعالیٰ'' کے متعلق ہوا ہے۔ اور ''للہ ما فی السموات وما فی الارض'' میں اور ''آیۃ الکرسی'' میں ''ذوی العقول'' اور ''غیر ذی العقول'' دونوں مراد ہیں۔

خاص کر جبکہ قرینہ موجود چنانچہ من دون اللہ کی آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ بتوں کو کفار اوتار سمجھ کر پکارتے تھے ورنہ درحقیقت مقصد ان کا بزرگ ہی تھے اور پھر آیت کریمہ ﴿اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ﴾ بھی اسی

پر دلالت کرتی ہے چنانچہ تفصیل گزر چکی ہے۔

ساتویں آیت: ومن اضل ممن یدعوا من دون اللّٰہ من لایستجیب لہ الی یوم القیامہ ذکر کی ہے یعنی اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے سوا لوگوں کو پکارے جو قیامت تک جواب نہیں دے سکتے۔

علمی مظاہرہ: صاحب رسالہ نے صفحہ ۲۵ سے ۳۸ تک موحدین کو بے علم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ ''عنوان'' یہ رکھا ہے۔

اولیاءاللہ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا مبلغ علم

اس سارے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ ''غیراللہ'' کو پکارنا ''غیراللہ'' سے مانگنا شرک نہیں بلکہ ''غیراللہ'' کی عبادت شرک ہے۔ اگر ''غیراللہ'' کو پکارنا یا غیراللہ سے مدد مانگنا ''شرک'' ہوتا تو پھر کسی مکان کو آگ لگنے کے وقت لوگوں کو پکارنا بھی شرک ہونا چاہیے۔ حالانکہ کوئی اس کو ''شرک'' نہیں کہتا اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لاتدع مع اللّٰہ الٰھا آخر﴾ (قصص:۹)

فرماتے ہیں: ﴿لاتدع من دون اللّٰہ مالا ینفعك﴾ (یونس:۱۱)

اس قسم کی آیات ''یدعوا'' ''تدعوا'' وغیرہ کے معنی ''عبادت'' کے ہیں کیونکہ ''یدعوا'' ''تدعوا'' وغیرہ کے چھ (۶) معنی آتے ہیں جیسے ان آیات مذکورہ میں ہیں۔

(۱) عبادت: لاتدع مع اللّٰہ الٰھا اخر (قصص:۹)

(۲) استغاثت: وادعوا شھداءکم من دون اللّٰہ (البقرہ:۲۳)

(۳) سوال: ادعونی استجب لکم (مومن:٦)

(۴) قول وکلام: ﴿دعواھم فیھا سبحانك اللھم وتحیتھم فیھا سلام﴾ (یونس:١)

(۵) ندا: یوم ندعوا کل اناس بامامھم (بنی اسرائیل:٨)

(٦) تسمیہ: یعنی نام لیکر بلانا۔

لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا (نور:٩)

جن آیات میں عبادت کے معنی تھے وہابیوں نے ان میں ''ندا'' ''استمداد'' اور ''استعانت'' کے معنی لیکر ان کو ''اولیاء اللہ'' پر چسپاں کردیا ہے۔ اور اس بنا پر ''ندا'' یا ''استمداد'' از غیر اللہ کو شرک کہا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ آگ لگنے کے وقت یا کسی اور موقعہ پر کسی کو پکارے یا بلائے یہ سب ''شرک'' ہے۔

سوال اور دعا عبادت ہیں:

صاحب رسالہ نے اپنی طرف سے بڑا ہی علمی مظاہرہ کیا ہے مگر درحقیقت اپنے ''علم'' کی قلعی کھولی ہے۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ میں نے جو آیت پیش کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ''سوال'' اور ''دعا'' کو عبادت کہا ہے چنانچہ پورے الفاظ یہ ہیں: وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین۰

''تمہارے رب نے کہا کہ مجھے پکارو اور مجھ سے سوال کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ ہماری عبادت (ہمارے پاس سوال کرنے اور مانگنے) سے تکبر

کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اور حدیث میں بھی صاف آیا ہے "الدعاء مخ العبادہ" (متفق علیہ)

دعا "عبادت" کا مغز ہے۔ یعنی عبادت کا اصل ہے۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو۔ (بلاغ المبین مترجم: از شاہ ولی اللہ صاحب صفحہ ۶۰)

جب دعا کا "عبادت" ہونا ثابت ہوگیا، تو اب "اولیاء کو پکارنا اور ان سے استمداد کرنا" "شرک" ہوا کیونکہ غیر اللہ کی عبادت شرک ہے۔ رہا آگ بجھانے کے لیئے استمداد کرنا یا اس قسم کا کوئی اور معاملہ ہو تو یہ "اسباب عادیہ" کے تحت ہے مافوق العادت نہیں چنانچہ شروع میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔

بریلویوں کا مشہور وظیفہ:

امداد کن، امداد کن از رنج وغم آزاد کن
در دین ودنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرؒ

مصائب کے وقت بریلوی حضرات یہ وظیفہ بہت پڑھتے ہیں حالانکہ خود شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی جبکہ بیٹے نے کہا کہ "اے آقا" مجھے وصیت کیجئے تاکہ میں آپ کے بعد اس پر عمل کروں" فرمایا:

اتق علیك بتقوی اللہ ولا تخف احدا سوی اللہ ولاترج احدا سوی اللہ وکل الحوائج الی اللہ ولا تعتمد الا علیہ واطلبھا جمیعاً منہ والزم التوحید وعلیہ اجماع الکل

"اللہ سے ڈرنا اور اللہ کے سوا کسی دوسرے سے خوف مت کھانا اور اللہ کے سوا

کسی سے امید مت رکھنا اور اپنی سب حاجتیں اللہ کے سپرد کرنا اور سب کچھ اسی سے مانگنا۔ توحید کو مضبوطی سے پکڑنا، اسی پر سب کا اجماع ہے (صفحہ ۳۸، ۳۹)

صاحب رسالہ نے اس وظیفہ کے ثبوت میں بڑے ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ قریبا آٹھ نو صفحات میں فتوح الغیب کی مذکورہ عبادت کا حوالہ دیا ہے کہ یہ صورتیں بیٹے کے لیئے ہیں یا جو اس قسم کے مقبول الٰہی ہیں جیسے شاہ صاحب کے بیٹے تھے کیونکہ کاموں کے لیئے وسیلہ کی ضرورت نہیں۔ ان کو یہی حکم ہے کہ براہ راست اللہ سے مانگیں۔

اس جواب سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

پہلی بات: ایک یہ کہ بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے خدائی اختیارات نہیں دیئے کیونکہ اگر دیئے تو حاجات خدا سے مانگنے کی ہدایت بیٹے کو نہ ہوتی۔

دوسری بات: یہ معلوم ہوئی کہ فوت شدہ کا وسیلہ دنیا میں نہیں کیونکہ اس میں شبہ نہیں کہ شاہ صاحب کی شخصیت بیٹے سے بڑی ہے۔ اور محمد ﷺ کی سب سے بڑی ہے تو اگر فوت شدہ کا وسیلہ جائز ہوتا تو بیٹے کو ضرور ہدایت کرتے کہ اپنے باپ کا اور اپنے نانے کا وسیلہ پکڑنا کیونکہ صاحب رسالہ نے صفحہ ۳۲ میں بحوالہ موضح القرآن اس بات کی تصریح کی ہے کہ چھوٹے بڑوں کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں خیر یہ تو صاحب رسالہ کے خیال کے مطابق گفتگو تھی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ فتوح الغیب کی عبارت ''اولیاء اللہ'' کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر مسلمان کو شاہ صاحبؒ کی یہی ہدایت ہے۔

عجیب ذہنیت: صاحب رسالہ صفحہ ۴۱ پر لکھتے ہیں کہ جو انسان جڑی بوٹی سے استمداد کرے۔ اور اس کو نافع ضار، قاتل اور مہلک اعتقاد کرے (چنانچہ بیماری کے وقت علاج

معالجے میں ایسا ہوتا ہے) اور انبیاءؑ اولیاءؒ سے کشف شوائد و دفع مصائب میں استمداد کرنا شرک، ضلالت اور بدعت بتائے وہ یقینا جڑی بوٹی وغیرہ ''مادی اشیاء'' کو انبیاءؑ و اولیاءؒ سے بہتر بزرگ تر و نافع تر سمجھتا ہے۔

بہ بیں ایں تفاوت از کجاست تا کجا

صاحب رسالہ کی قرآن وحدیث سے غفلت: بریلوی حضرات کی ذہنیت اتنی کند ہوگئی ہے کہ نہ قرآن وحدیث کو سمجھتے ہیں اور نہ دنیا کے دستور کا پتہ ہے کون نہیں جانتا کہ جس کے لیئے کوئی شے تیار کی جائے اس کو اس شے پر شرف ہوتا ہے مثلاً مکان مکین کے لیئے بنایا جاتا ہے اور کھانا مہمان کے لیئے تیار کیا جاتا ہے تو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ مکان مکین سے بہتر ہے۔ یا کھانا مہمان سے بہتر ہے۔ اور قرآن مجید میں ہے **هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً** یعنی زمین میں جو کچھ ہے وہ تمہارے فائدے کے لیئے ہے تو کیا یہ اشیاء بہتر ہیں؟ یا ہم بہتر ہیں؟ پیاس بجھانے کے لیئے پانی کی ضرورت ہے بھوک دور کرنے کے لیئے کھانے کی ضرورت ہے اب خیال کیجئے کہ ہم میں پیاس دور کرنے پر قدرت نہیں۔ بلکہ پانی مدد کرتا ہے۔ نہ بھوک دور کرنے کی قدرت ہے بلکہ یہ کام کھانے کا ہے علیٰ ہذا القیاس دوسری اشیاء کو سمجھ لیں۔ تو اگر انبیاءؑ، اولیاءؒ کے لیئے اختیارات نہ مانے جائیں اور اس بنا پر یہ اشیاء ''اولیاءؒ'' سے بہتر بن جاتی ہیں تو پھر ہم سے بہ طریق اولی بہتر ہونی چاہئیں حالانکہ ہم سے بہتر نہیں تو پھر انبیاءؑ اللہ اور اولیاء اللہ سے کس طرح بہتر ہوں گے؟

بریلوی حضرات کی مقام توحید میں غلطی: اصل میں بریلوی حضرات کو یہاں ''توحید'' کے مقام میں ایک غلطی لگی ہوئی ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب ایک شے کسی دوسری شے ہ

کام نہ کرے تو پہلی شئے کا درجہ کم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ اصول ہی غلط ہے مثلاً آنکھیں، کانوں کا، کام نہیں دیتیں تو کیا اس سے آنکھوں کا درجہ کم ہو گیا؟ اور کان بہتر ہو گئے؟ نہیں بلکہ اصول یہ ہے کہ جو شے جس ڈیوٹی پر ہے اس میں ترقی کرنا اس کا کمال ہے مثلاً کانوں کی سماعت اچھی ہو تو یہ کانوں کا کمال ہے۔ ایسے ہی ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہو، اور ٹانگیں چلنے کا کام اچھا کریں تو یہ ان کا کمال سمجھا جائیگا ٹھیک اسی طرح یہ سمجھ لینا چاہئے کہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیئے پیدا کی ہیں اور بندوں کو اپنے لیئے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: **وماخلقت الجن والانس الالیعبدون۔**

میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیئے پیدا کیا ہے؟ (پارہ ۲۷)

سو بندوں کا کمال ''عبودیت'' میں ہے نہ کہ خدائی اختیارات میں۔

بریلوی حضرات کی تقریریں اور تحریریں، مرزائیوں کی طرح پر نمائش ہوتی ہیں جن سے وہ عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ مثلاً مرزائی کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم عیسیٰ علیہ السلام کا اوپر جانا مان لیں تو اس سے محمد ﷺ کی توہین ہوتی ہے۔ کیونکہ آپؐ نیچے قبر میں پڑے ہیں حالانکہ اس وجہ سے اگر عیسیٰ علیہ السلام بہتر بنتے ہیں تو گھاس پھونس ''موتی'' سے بہتر ہونا چاہئیے کیونکہ موتی دریا کی ''تہ'' میں ہوتا ہے اور گھاس پھونس پانی کے اوپر تیرتا رہتا ہے ایسے ہی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ اگر پانی پیاس بجھائے اور ''نبی'' ''ولی'' نہ بجھائے۔ تو اس سے ''نبی'' ''ولی'' کی توہین ہوتی ہے اور پانی ان سے بہتر بن جاتا ہے۔ یہ ہے بریلوی حضرات کی عقل وفکر اور پھر مقابلہ ''موحدین'' سے جن کی ہر بات نپی تلی ہوتی ہے۔

کسی نے سچ کہا ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

کیا شاہ جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے مدد مانگو: صاحب رسالہ نے صفحہ ۴۲۔۴۳ پر شاہ جیلانیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''مصیبت کے وقت مجھ سے فریاد کرو'' نیز فرمایا ''جو شخص دو رکعت پڑھے، اور ہر رکعت میں گیارہ دفعہ **قل ھو اللہ** پڑھے۔ پھر ''سلام'' پھیر کر رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجے۔ پھر عراق کی طرف گیارہ قدم اٹھاتا ہوا میرا نام لیتا رہے اور اپنی حاجت کا ذکر کرے تو اس کی حاجت پوری ہو جائی گی۔ اس قول کا حوالہ چند رسالوں سے دیا ہے لیکن یہ مسلمہ چیز ہے کہ ایک بات خود مصنف اپنی کتاب میں لکھے اور دوسرا اس کے خلاف اس کی طرف نسبت کرے تو معتبر وہی ہے جو خود مصنف لکھے اور یہاں یہی صورت ہے کیونکہ شاہ صاحب ''فتوح الغیب'' میں اپنے بیٹے اور ہر مسلمان کو اس کے خلاف وصیت فرماتے ہیں۔

دوسرے رسالوں میں اس قول کو بے سند لکھا ہے۔ اور بے سند بات معتبر بھی نہیں ہوتی اگر کسی بریلوی میں ہمت ہے تو اس کی سند دکھائے۔

(۳) صاحب رسالہ صفحہ ۹۰ پر لکھتے ہیں اصول دین چار ہیں قرآن، احادیث، فقہ، اجماع۔

قرآن مجید میں تو اس قول کا نام ونشان نہیں ملتا۔ اس پر اجماع امت بھی نہیں کیونکہ ''اجماع امت'' سے مراد امت کے مجتہدوں کا ''اجماع'' ہوتا ہے۔ ہمیں کوئی امام ابوحنیفہؒ یا ان کے شاگردوں ہی سے کہیں مجتہدوں کے ''اجماع'' کی سند دکھا دے۔ معلوم ہوا کہ اس قول

پر فقہ سے بھی کوئی سند نہیں۔ کیونکہ "فقہ" انہی مجتہدوں کے "اقوال" کا نام ہے۔

(۴) ان رسالوں میں ملا علیؒ قاری کی طرف ایک رسالہ منسوب کیا گیا ہے جس کا نام "نزہتہ الخاطر الفاطر" بتلایا گیا ہے۔ اول تو یہ رسالہ ملا علیؒ کا ثابت نہیں ہوا دوم ملا علیؒ قاری کے نظریے کے خلاف بھی ہے کیونکہ وہ (ملا علی قاریؒ) "علم غیب" کے سلسلے میں بریلویوں کے خلاف تھے۔ ملاحظہ ہو۔ (موضوعات ملا علیؒ قاری صفحہ ۱۰۰ اور شرح فقہ اکبر)

اس طرح ایک رسالہ "روضتہ الناظرین ذکر کیا ہے جس کی نسبت صاحب قاموس کی طرف کی ہے۔ اس میں بھی وہی شکوک ہیں جو ملا علیؒ کے رسالہ میں ہیں، کیونکہ صاحب قاموس "اہل حدیث" ہیں ملاحظہ ہو ان کی کتاب "سفر السعادت"۔

اسطرح بعض اور رسائل کا حال ہے۔ خلاصہ یہ کہ شاہ جیلانیؒ کا یہ قول ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی نہیں چہ جائیکہ اس کا ذکر "توحید" کے مقام میں ہو جو کہ اعتقادی اور بنیادی چیز ہے۔

اس کے بعد صفحہ ۴۵۔۴۶ میں تتمہ فتوح الغیب پر حاشیہ بجہ الاسرار صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ مصر کے حوالہ سے اس قسم کے چند اشعار درج کیے ہیں جن کی نسبت شاہ جیلانیؒ کی طرف کی ہے یہ سب ان پر بہتان ہے۔ تتمہ فتوح الغیب شاہ صاحب کا نہیں اور صفحہ ۲۶۔۲۷ پر فتوح الغیب مقالہ چھیالیسواں مطبوعہ مصر صفحہ ۱۹۰ پر حاشیہ بجہ الاسرار کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ بعض کتب الہیہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿یا ابن آدم انا اللہ الذی لا الہ الا انا اقول لشیء کن فیکون اطعنی اجعلک تقول لشیء کن فیکون﴾

اے ابن آدم! میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں کسی شئے سے کہتا ہوں

''ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے'' تو میری اطاعت کریں تجھے بھی ایسا کردونگا کہ تو کسی شئے سے کہے گا ''ہوجا'' تو وہ ہوگی۔

اس کے بعد صاحب رسالہ لکھتے ہیں کوئی بے ادب شخص خیال نہ کرے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ کا یہ فرمان (نعوذ باللہ) خلاف شرع ہے۔ حضور نے صحیح حدیث قدسی کی ترجمانی فرمائی ہے جو ہم نے صفحہ ۱۱ پر درج کی ہے۔

بعض کتب الٰہیہ کا حوالہ یہ اسرائیلیات کی قسم ہے۔ یعنی جو باتیں ''بنی اسرائیل'' سے منقول ہوتی ہیں۔ ان پر اعتماد نہیں ہوتا۔ اس بناء پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب ''اہل کتاب'' تمہیں کوئی بات سنائیں تو اس کی تصدیق نہ کرو، نہ تکذیب ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ کتاب العلم فصل اول)۔

وجہ اس کی ظاہر ہے کہ اہل کتاب نے ''کتاب اللہ'' کی تحریف کردی۔ اللہ جانے اصل بات کیا تھی اور کیا بنا کر پیش کی گئی ہے؟ رہی یہ بات کہ اس صحیح حدیث کی ترجمانی ہے جو گذشتہ اوراق میں گزر چکی ہے سو اس کا صحیح مطلب بھی وہیں پر گزر چکا ہے۔

علمی نکتہ:۔

اور یہاں عربیت کے لحاظ سے ایک دقیق نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ "اقول لشیء" تو بغیر "الف لام" کے ہے۔ اور "تقول للشیء" میں "الف لام" ہے تو گویا یہ ایسا ہوگیا جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **ارسلنا الی فرعون رسولا فعصی فرعون الرسول** جیسے یہاں دوسرے رسول سے پہلا رسول مراد ہے۔ ایسے

ہی "تقول للشی" میں بھی پہلی شئے کی طرف اشارہ ہوا۔ جو "اقول لشیی" میں ہے تو مطلب یہ ہوا کہ بزرگ اللہ کی مرضی کے بغیر دم نہیں مار سکتے۔ کیونکہ ان کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ خود شاہ جیلانی اس حدیث کے بعد اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حدیث کی تشریح شیخ جیلانیؒ کی زبانی:

وهو الاستقامه التى طلبها من تقدم من الاولياء والابدال عليهم السلام ان يفنوا عن ارادتهم تتبدل بارادة الحق ابدا الى الوفاة فلهذا سموا ابد الافذنوب هولاء السادات ان يشركوا ارادة الحق بارادتهم على وجهه السهو والنسيان و غلبة الحال والدهشة فيدركهم اللّٰه تعالىٰ برحمة بالتذكرة واليقظة فيرجعوا عن ذلك ويستغفر ربهم (فتوح الغيب مقاله ٦)

''یہی استقامت ہے جس کو متقدمین اولیاء اور ابدال طلب کرتے رہے کہ (وہ) اپنے ارادہ سے فانی ہو جائیں اور ان کا ارادہ خدا کے ارادہ سے بدل جائے پس ان کا ارادہ ہمیشہ مرتے دم تک اللہ کے ارادہ کے ساتھ جڑا رہا۔ اور اسی وجہ سے ان کا نام ''ابدال'' رکھا گیا۔ پس ان لوگوں کے گناہ صرف یہ ہوتے ہیں کہ کسی وقت سہو نسیان، غلبہ حال اور حیرانی سے اللہ کے ارادے کو اپنے ارادے کی ساتھ شریک کر لیتے ہیں پس اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو جلد پا لیتی ہے پس وہ ہوشیار و بیدار ہو جاتے ہیں اور اللہ سے بخشش مانگ لیتے ہیں۔

اس کے علاوہ مقالہ ۳۶ میں ذرا زیادہ وضاحت سے لکھتے ہیں:

ثم تزول ارادتك ومناك فتفنى من الاكوان دنيا واخرى فتصير كاناء لا يبقى فيك غير ارادة ربك فتمتلى بربك.

تیرا ارادہ اور تیری تمنا دور ہو جائے پس تو دنیا اور آخرت کے لحاظ سے مخلوقات سے فنا ہو کر ٹوٹے ہوئے برتن کی طرح جڑ جائے۔ جس میں تیرے ارادے کے سوا کوئی ارادہ باقی نہ رہے۔ پس تو سارے کا سارا اپنے ''رب'' سے بھر جائے۔

اور کسی جگہ فرمایا کہ تو ایسا ہو جائے جیسے بچہ دائی کے ہاتھ میں، گیند بلے کے آگے اور میت غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو مقالہ ۳۔ اور مقالہ ۱۰ وغیرہ)

اب بریلوی حضرات بتائیں کہ خدا سے مانگنا چاہیئے یا اس سے کہ جس کا اپنا کوئی ارادہ ہی نہیں یا مردہ بدست زندہ ہے یا گیند بلا کی مثال ہے سچ ہے:

تمہیں تقصیر اس بت کی جو ہے میری خطا لگتی ارے لوگو! ذرا انصاف سے کہو خدا لگتی

صاحب رسالہ کم علمی: اس کے بعد صفحہ ۲۷۔۲۸ پر صاحب رسالہ نے بحوالہ ''حصن حصین'' طبرانی کی ایک حدیث ذکر کی ہے کہ ''جب جنگل میں انسان کو کوئی مصیبت پہنچ جائے (مثلاً سواری چھوٹ جائے) تو کہے ''**یا عباد اللہ اعینونی**'' یعنی ''اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو'' صاحب رسالہ نے کم علمی کی وجہ سے ''عباد اللہ'' سے عام ''اولیاء اللہ'' سمجھ لیئے ہیں حالانکہ یہاں فرشتے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے کاموں پر جنگلوں میں مقرر ہیں چنانچہ بزاز کی روایت میں اس کی صراحت ہے (۱)۔

(۱) مجمع الزوائد جلد دہم ص ۱۳۲ یہاں دو نسخے لکھے ہیں ایک میں طبرانی اور ایک میں بزار ہے۔

بریلوی حضرات کی ڈبل غلطی: خلاصہ یہ کہ اس حدیث کو اس مقام میں پیش کرنا بریلوی حضرات کی ڈبل غلطی ہے۔ ان کی زیادہ تفصیل ہم نے اپنے رسالہ ''سماع موتی'' کے صفحہ ۳۸ میں کی ہے وہاں دیکھ لیں۔

نواب صدیق الحسن اور استمد اد لغیر اللہ: اس کے بعد صاحب رسالہ نے نواب صدیقؒ صاحب بھوپال والوں کی کتاب ''**اتحاف النبلا** ''صفحہ۳۷ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے نواب صاحب فرماتے ہیں: ۱۲۷۵ھ میں میرے ساتھ بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا۔ میں ایک ندی سے سواری پر گزرنے لگا۔ برسات کے دن تھے اوپر سے سیلاب آ گیا۔ میری سواری بہہ چلی تھی کہ میں نے با آواز بلند ''**یا عباد اللّٰہ اعینونی** ''کہا تو فوراً ایک پتھر کے ساتھ رک گئی اور خدا نے اپنے فضل سے نجات بخشی۔

صاحب رسالہ نے یہ واقعہ ذکر کر کے طنزاً لکھتے ہیں سبحان اللہ! اللہ کے بندے (اولیاء اللہ) کیسے رحم دل ہیں۔ اگر کوئی مخالف بھی مصیبت میں یاد کرے تو اس کی امداد کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے (صفحہ۵۰)

بریلویہ کے علم کا جنازہ نکل گیا: گویا صاحب رسالہ نے نوابؒ صاحب کو اولیاءؒ اللہ کا مخالف کہہ کر اپنا جی ٹھنڈا کیا اور حقیقت کا پتہ نہیں کہ بریلویہ کے ''علم'' کا جنازہ نکل گیا کہ فرشتوں کو انسان سمجھ لیا۔ اس کے علاوہ بریلوی حضرات کی دیانت کا بھی جنازہ نکل گیا کہ پوری عبارت نقل نہیں کی نواب صدیق حسنؒ صاحب اس واقعہ سے پہلے فرماتے ہیں: ایں خاص است بمورد بروی قیاس دیگر صورت استعانت در جاہائے دیگر نتواں کرد **کذاقال المحققون** ''یعنی محققین نے کہا ہے کہ استعانت کی یہ صورت اس موقع کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی

جنگلات میں سواری کے ہاتھ سے جانے کا کوئی حادثہ پیش آ جائے تو یہ الفاظ کہے۔ "یـــا عبـــاد اللّٰــه اعینونی "نہ کہ ہر واقعہ پر کیونکہ قران مجید سورہ تحریم آیت ۶ میں ہے۔ "ویـفـعلون ما یومرون" یعنی فرشتے وہ کام کرتے ہیں جس کا وہ حکم دیے جاتے ہیں اور پارہ ۱۷ رکوع ۲ میں ہے کہ "حکم الٰہی کے بغیر اترتے نہیں" پس ان کی استعانت وہیں تک محدود کر لینی چاہیے۔ جس حد تک آ گئی (یعنی معین ہے) اس سے آگے نہ بڑھنا چاہیے۔ پس بریلوی حضرات کا اس کو عام کر لینا اور ہر قسم کی استعانت کو اس پر قیاس کرنا اور جنگل اور غیر جنگل کی بھی تمیز نہ کرنا۔ یہاں تک کہ اولیاء اللہ اور اہل قبور سے بھی مانگنا یہ سب بریلوی حضرات کی من گھڑت باتیں ہیں جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور ساتھ ہی نواب صدیق حسن مرحوم پر بہتان باندھنا کہ وہ بھی اس کے قائل ہیں۔ حالانکہ وہ بے چارے تردید کر رہے ہے کہ محققین کے نزدیک یہ اس مقام کے لیئے خاص ہے۔

ایاك نستعین: اس آیت کے دو حصے ہیں ایک یہ اور ایک اس سے پہلے "**ایاك نعبد**" اور اس کے معنی یہ ہیں کہ، ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ کسی اور کی نہیں کرتے۔ یہ عبادت بہ واسطہ نہیں ہے بلا واسطہ ہے جیسے "**مـا نـعـبـدهـم الا لیقربونا الی اللّٰه زلفی**"

ترجمہ: ہم ان بتوں وغیرہ کی عبادت محض اس لیئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا کے مقرب بنا دیں (الزمر)

"**ویقولون هولاء شفعاء نا عنداللّٰه**"

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں (یونس:۲)

اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ ''لاہوت'' سے ''ناسوت'' میں آ گیا۔ یعنی الوہیت کے مقام سے انسانی شکل میں ظاہر ہو گیا گویا اس (انسانی) شکل کی عبادت درحقیقت اللہ کی عبادت ہے۔ ایسے ہی بنی اسرائیل نے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی تو یہ سمجھ کر کہ اللہ اس شکل میں حلول کر آیا ہے۔ اسی طرح کئی اور مشرک غیر اللہ کو مظاہر الٰہی (اللہ کی ظہور کے مقامات) سمجھ کر پوجتے ہیں۔

ایاک نعبد کا معنی اور مفہوم: ان سب کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ تم یوں کہو ''**ایاک نعبد**'' ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی براہ راست تیری ہی عبادت کرتے ہیں غیر کو نہیں پوجتے۔ اسی بناء پر ''**ایاک نستعین**'' کے معنی ہوئے ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تیرے سوا کسی ''اور'' سے مدد نہیں مانگتے نہ بلواسطہ نہ بلاواسطہ۔

اب اس پر شبہ ہوتا ہے کہ اس عالم اسباب میں باہمی تعاون کے بغیر دنیاوی کاروبار ہرگز نہیں چل سکتا۔ زید بکر کی امداد کا محتاج ہے تو بکر، عمر کی معاونت...... کا پھر غیر سے استمداد تو ہو گئی اور قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے:

''**وتعاونوا علی البر والتقوی**'' ترجمہ: نیک کاموں اور پرہیزگاری حاصل کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

اس قسم کی اور کئی آیات ہیں جن میں سے صاحب رسالہ نے سات ذکر کی ہیں:

۱- ایک جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

۲- بنی اسرائیل نے فرعون پر موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی (القصص:۲)

۳- اے ایمان والو! مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ (البقرہ: روع ۳)

۴- اگر تم اللہ کی مدد گرو گے تو ''اللہ'' تمہاری مدد کرے گا۔

۵- جومسلمان ہجرت کر کے نہیں آئے اگر وہ تم سے دین کے معاملہ میں ''مدد'' طلب کریں تو تم پر ان کی مدد لازم ہے (الانفال:)

۶- انصار جنہوں نے مہاجرین کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ''ولی'' ہیں (الانفال:)

۷- وہ لوگ جنہوں نے مسلمانوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہ سچے مومن ہیں (الانفال:)

ایک اعتراض: صاحب رسالہ سات آیات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ مذکور بالا آیات تلاوت کرنے کے بعد کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ سے استمداد کرنا شرک وکفر ہے؟ ہرگز نہیں۔

جواب: بریلوی حضرات کا یہ شبہ بڑا وزنی ہے لیکن درحقیقت یہ وہی بنیادی غلطی ہے جس کا بیان گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے بلکہ شروع ہی میں ہم نے لکھ دیا ہے کہ ''مدد'' مانگنے کے دو معنی ہیں ایک یہی جو صاحب رسالہ نے لکھے ہیں جنکا ذکر آیات مذکورہ میں ہے دوسرے یہ کہ ایک شخص دہلی میں ہے، اسے لاہور بیٹھے پکاریں کہ ہماری مدد کر یا کسی فوت شدہ کی قبر پر جا کر امداد مانگیں کہ ہماری فلاں مراد خود پوری کر یا اللہ سے پوری کرادے، ہم تیری در کے فقیر ہیں ہماری کشتی پار کردے۔ وغیرہ وغیرہ آیہ کریمہ ''ایاك نستعین'' میں بھی دوسرے معنی مراد ہیں۔ بریلوی حضرات پہلے معنی لیکر اعتراضات شروع کردیتے ہیں حالانکہ انسان کو چاہیئے کہ پہلے تولے پھر بولے۔ بغیر سوچے سمجھے لکھے جانا کوئی کمال نہیں صاحب رسالہ نے قریباً پانچ صفحات صفحہ ۵۱ سے صفحہ ۵۵ تک ''ایاك نستعین'' میں سیاہ کردیئے ہیں، ملا نتیجہ صفر۔

بریلوی حضرات کی ایک اور ڈبل غلطی: ''مدد کی پہلی قسم کے متعلق شاہ عبدالعزیزؒ

صاحب تفسیر عزیزی میں زیر آیت "ایاك نستعین" میں لکھتے ہیں کہ اس قسم کی "مدد" درحقیقت "غیر اللہ" سے نہیں بلکہ "اللہ" ہی سی ہے (جس قسم کی امداد صاحب رسالہ نے بیان کی ہے) انبیاء اور اولیاء بھی اس قسم کی مدد غیر سے لیتے تھے کیونکہ ان اسباب سے جو "مدد" حاصل کی جاتی ہے تو اس میں عقیدہ یہی ہوتا ہے کہ یہ "اسباب" اللہ نے بنائے ہیں اور ان میں یہ تاثیر اللہ ہی نے رکھی ہے نہ یہ کہ ان کو مستقل سمجھا جاتا ہے۔ ہاں اگر کوئی مستقل ہونے کا ارادہ رکھے تو یہ بے شک حرام ہے۔

یہ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کی عبارت کا خلاصہ ہے اس بناء پر "ایاك نستعین" کے معنی یہ ہوئے کہ ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں خواہ براہ راست تجھ سے ہو یا بالواسطہ۔ اسباب عادیہ جو تیرے ہی بنائے ہوئے ہیں، تیرے ہی حکم سے وہ متاثر ہیں خود وہ کوئی شئے نہیں۔

صاحب رسالہ شاہؒ صاحب کی عبارت نقل کر کے لکھتے ہیں "اکثر گلابی وہابی صاحبان شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کے معتقد ہیں، ان کا فرض ہے کہ کم از کم شاہؒ صاحب کی عزت افزائی کرتے ہوئے ان کے کلام سے روگردانی نہ کریں (صفحہ ۵۵)

جواب: شاہ صاحب کا یہ ارشاد فی نفسہ ٹھیک ہے مگر اس سے دوسری قسم کی مدد کس طرح ہوئی؟ ایک شئے عام دستور کے مطابق ہے جس میں ہم اور انبیاء اور اولیاء برابر ہیں۔ وہ اس (عادیہ) قسم کی مدد ہم سے لیتے ہیں ہم ان سے لیتے ہیں چنانچہ مذکورہ آیات سے واضح ہے کہ اس سے خرق عادت اور اسباب عادیہ سے بالاتر "مدد" پر استدلال کرنا کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ مثلاً ایک شخص ہمارے پاس ہے اس کو تو ہم کہتے ہیں کہ "بوجھ ہمیں اٹھوا دے" لیکن اس (بوجھ اٹھوانے) کے لیئے لاہور سے دہلی میں کسی کو آواز نہیں دیتے۔ اسی طرح گھر

میں ہمیشہ بیوی کو روٹی پکانے کے لیئے کہتے ہیں مگر قبر پر جا کر ایک دن بھی ایسا نہیں کہتے بلکہ ایسا کہنے والے کو لوگ پاگل کہیں گے۔ غرض اسباب عادیہ کا معاملہ اور ہے اور خرق عادت کا اور پہلے سے دوسرے پر استدلال کرنا ڈبل غلطی ہے جس میں بریلوی حضرات مبتلا ہیں چنانچہ شروع سے یہاں تک سارا مضمون اس غلطی کی (تائیدی) وضاحت میں ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کی طرف سے صراحت: شاہ عبدالعزیزؒ صاحب تفسیر عزیز میں آیت کریمہ "**فلا تجعلوا اللّٰہ اندادا**" میں مشرکین کی قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **قبر پرستان مے گویند کہ چوں مردیکہ بسبب کمال ریاضت ومجاہدہ مستجاب الدعوات ومقبول الشفاعات شدہ بود، ازیں جہان میگزرد۔ اوراقوتے عظیم ووسنے بے فخیم بہم مرسد ہرکہ صور اورا، برزخ سازد یا درمکان شست وبرخاست اور، یا برگور او، سجود وتذلل تمام نماید روح اورا بسبب وسعت واطلاق برآن مطلع شود ودردنیاوآخرت درحق اوشفاعت نماید، انتہی۔**

ترجمہ: چوتھی قسم (شرک) قبر پرست کہتے ہیں کہ جو "مرد" کمال ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے مستجاب الدعوات اور مقبول الشفاعات ہو جاتا ہے۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے اور اس کے اختیارات بہت وسیع ہو جاتے ہیں۔ جو شخص کہ اس بزرگ کی صورت کا تصور کرے یا اس کے بیٹھنے اٹھنے کی جگہ میں یا اس کی قبر پر سجدہ اور نہایت عاجزی اور انکساری کرے تو اس بزرگ کی روح بوجہ فراخی اختیارات اور زیادتی قوت اس عاجزی کرنیوالے کے حال پر مطلع ہو جاتی ہے او دنیا وآخرت میں اس کے حق میں شفاعت کرتی ہے۔

اسباب عادیہ کا استعمال عین ہدایت خداوندی کے مطابق ہے:

بریلوی دوستو! ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تلاش کر لینا لو! بتلاؤ کہ اس سے صاف فیصلہ کیا ہوگا؟ اب ہم دیکھیں گے کہ آپ حضرات شاہ صاحبؒ کی کتنی عزت افزائی کرتے ہیں؟ اب بات بالکل صاف ہوگئی کہ بزرگوں کو اسباب عادیہ قیاس کرنا ''ڈبل غلطی'' ہے۔ اسباب عادیہ کے استعمال کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں ہدایت ہے اور اسی بناء پر بزرگ بھی ان ان کو استعمال کرتے ہیں اور یہ کہیں نہیں آیا کہ بزرگوں کو تم دُور دراز سے پکارو یا اُن کی قبروں پر جا کر مرادیں مانگو۔ قرآن وحدیث اس سے یکسر خالی ہیں بلکہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات کسی کو نہیں دیئے۔ پس جو مانگنا ہو خدا ہی سے مانگو چنانچہ گزشتہ اوراق میں اس کی خوب تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاءؒ کرام دنیا کو پسند نہیں کرتے اور ہر وقت ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ انسان کا نصب العین آخرت ہو۔ اس لیئے جب ان کے پاس کوئی دنیاوی حاجات لیکر آتا ہے اور دعا کرانی چاہتا ہے تو اس کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں یا اس کو ایسی ہدایت کرتے ہیں کہ جس سے وہ خود ہی دنیاوی خیالات ترک کر دیتا ہے۔ اس کے عوض آخرت کی چیز مانگ لیتا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے حالات میں کچھ تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ جب دنیا میں بزرگوں کے حالات یہ ہیں تو دنیا سے رخصت ہو کر دنیا کی آلائش سے پاک ہو کر کب دنیا کو پسند کرتے ہیں۔ مگر بریلوی حضرات کا سارا سلسلہ ہی بزرگوں کی مرضی کے خلاف ہے کونسی دنیاوی ضرورت ہے جو ان کے مزارات پر نہیں مانگی جاتی۔ ان (بریلوی) حضرات نے ان کے مزارات کو دنیاوی حاجات کا قبلہ وکعبہ بنا رکھا ہے پھر کہتے ہیں ہم بزرگوں کو مانتے ہیں۔ انا للہ

بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا

بریلوی حضرات سے ایک اہم سوال: مشرکین جو ''غیراللہ'' کو پکارتے تھے۔ وہ ان (معبودوں) کو مستقل اِلٰہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ حج کے موقعہ پر صاف الفاظ کہتے تھے۔

لبیك لبیك لاشریك لك لبیك الا شریکا تملکه وما ملك

یا اللہ! ہم تیرے دربار میں بار بار حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسا شریک کہ جس کا تو ہی مالک ہے وہ کسی شئے کا مالک نہیں۔ اور تم بھی یہی کہتے ہو کہ ہم اولیاء اللہ کو مستقل سمجھ کر نہیں پکارتے بلکہ یہ سمجھ کر پکارتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اختیارات دے دیئے ہیں۔ اب بتلایئے کہ تم میں اور ان مشرکوں میں کیا فرق ہوا؟ بلکہ تم نے تو بزرگوں کو کارخانہ خدا کا مختار کل بنادیا ہے۔ اور وہ (مشرک) بزرگوں کو صرف سفارشی سمجھتے تھے تو تمہارا شرک ان سے بھی بڑھ گیا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ وہ بتوں کو پکارتے تھے۔ ہم اولیاء اللہ کو پکارتے ہیں اس لیئے ہم میں اور ان میں بڑا فرق ہے۔ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ وہ بھی درحقیقت اولیاء اللہ کو پکارتے تھے۔ بتوں کو صرف ان (اولیاء اللہ) کی یادگار سمجھتے تھے جیسے تم نے خانقاہیں اور مزار بنا رکھے ہیں چنانچہ اس کی تفصیل بھی گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ یہود ونصاریٰ تو ''بتوں'' کو نہیں پکارتے تھے بلکہ تمہاری طرح ان کے بھی مزارات اور خانقاہیں تھیں۔ بہرصورت توحید کا مسئلہ بہت نازک ہے۔ کچھ سوچ سمجھ کر جواب دینا چاہیے تاکہ ہمارا ''ایاك نستعین'' صحیح ہوجائے کیونکہ یہ پانچوں وقت کا بار بار اقرار ہے۔ اگر یہ بیکار ہو گیا تو لا الہ الا اللہ کسی کام نہ آئے گا۔ اللہ اس سے بچائے اور خاتمہ بالخیر کرے (آمین)

الحمدللہ یہاں تک رسالہ کا جواب ایک طرح سے مکمل ہو گیا کیونکہ شروع

میں تمہید اٹھائی تھی کہ "استمداد از غیر اللہ" کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اسباب عادیہ کے ساتھ اور ایک خرق عادت کے ساتھ اول (استمداد) زیر بحث نہیں کیونکہ اس میں انبیاء اولیاء اللہ ہمارے برابر ہیں۔ اگر ان کی خصوصیت ہوگی تو خرق عادت سے ہوگی سو اس کے ثبوت کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے (۱) علم غیب (۲) خدائی اختیارات کا ملنا اور (۳) "اذن" ہونا کہ تم لوگوں کی دینی اور دنیاوی تمام حاجات پوری کرو۔

بریلوی حضرات ان تینوں میں سے ایک کا ثبوت بھی پیش نہیں کر سکے بلکہ قرآن وحدیث اور بزرگان دینؒ سے اس کے خلاف ثابت ہے چنانچہ گذشتہ اوراق میں اس پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد مصنف رسالہ "سماع موتی" ثابت کرنا چاہتے ہیں حالانکہ "سماع موتی" سے نہ خدائی اختیارات ثابت ہوتے ہیں، نہ "اذن" اور نہ "علم غیب" کیونکہ "سماع موتی" قرب کو چاہتا ہے اور "علم" میں دوری نزدیکی کا سوال ہی نہیں۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ "سماع موتی" بھی ثابت نہیں کر سکے۔ تفصیل کے لیئے ہمارا رسالہ "سماع موتی" ملاحظہ ہو۔ یہاں ہم ضروری ضروری چند نکات بیان کر دیتے ہیں۔

سماع موتی: اس سے پہلے کہ مسئلہ سماع موتی پر بحث شروع کی جائے، قارئین کرام مختصر سی تمہید ملاحظہ کر لیں جو ہر جگہ کام دے گی۔ انشاء اللہ

اصول فقہ میں لکھا ہے کہ جو بات خلاف "دستور وقیاس" ہو، وہ اپنے محل پر بند رہتی ہے اس پر دوسرے موقع کو قیاس نہیں کیا جاتا۔ مثلاً

☆ حنفیہ کے نزدیک کھجوروں کے شربت سے وضو جائز ہے مگر چونکہ یہ خلاف دستور وقیاس ہے کیونکہ وضو مطلق پانی سے ہوتا ہے اور یہ مطلق پانی نہیں بلکہ اس کو عرف عام (یعنی عام بول چال) میں شربت کہتے ہیں۔ اس لیئے اس پر شربت بنفشہ وغیرہ کو قیاس نہیں کیا جائے گا کہ ان سے بھی وضو جائز ہو۔

☆اس طرح حنفیہ کے نزدیک امام یا مقتدی رکوع، سجود اور نماز میں قہقہہ لگا کرہنس پڑیں تو ان کا وضوٹوٹ جائے گا مگر چونکہ یہ خلاف دستور وقیاس ہے کیونکہ وضو نجاست نکلنے سے ٹوٹتا ہے اس لیئے اکیلے کی نماز کو یا نماز جنازہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا یعنی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو یا نماز جنازہ میں شریک ہو تو اس کا وضو قہقہہ سے نہیں ٹوٹے گا۔

جب یہ بات طے پاچکی کہ جو چیز دستور وقیاس کے خلاف ہو۔ وہ اپنے مقام پر بند رہتی ہے اس کو آگے نہیں چلایا جائے گا تو اس بناء پر کوئی بات ''خرق عادت'' ثابت ہو جائے تو اس سے عام نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے بلکہ اس کو ایک جزئی (چیز) سمجھ کر وہیں قائم رکھا جائے گا اور باقی عام حالات بدستور قائم رہیں گے۔ مثلاً مدینہ میں حضرت عمرؓ کی آواز "یاساریة الجبل" نہاوند میں سنی گئی۔ یا حضرت عمرؓ کو ساریہ امیر کی فوج نہاوند مقام میں لڑتی نظر آ گئی تو اس کے معنی یہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کو تمام علم غیب حاصل ہے یا یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ ساریہ ہمیشہ دور ونزدیک کی آواز سنتے تھے بلکہ یہ جزئی (چیز) یہیں بند رہے گی۔ اور عام حالات ویسے کے ویسے رہیں گے، لیکن بریلوی حضرات جزئی سے کلی نتیجہ نکال لیتے ہیں اور اصول کا مطلق خیال نہیں کرتے کہ خلاف دستور بات عام نہیں ہوتی۔

بریلوی حضرات کا غلو: بریلوی حضرات یہاں تک غلو کر جاتے ہیں کہ اس کے خلاف قرآن وحدیث اور دیگر واقعات سے بھی نظریں بند کر لیتے ہیں۔ مثلاً یہی حضرت عمرؓ ہیں کہ مدینہ سے سینکڑوں میل دور ساریہ اور اس کی فوج ان کو لڑتی ہوئی نظر آ گئی۔ مگر محراب میں کھڑے ہوئے (حضرت عمرؓ) کو اپنا قاتل چھپا ہوا نظر نہ آیا اور یعقوب علیہ السلام کو مصر سے یوسف علیہ السلام کے کرتے کی خوشبو آ گئی۔ لیکن کنعان کے کنویں میں (جو کہ آپ کے وطن میں واقع تھا) یوسف علیہ السلام کی خوشبو نہ آئی نہ بھائیوں کے مارنے کا پتہ چلا

وغیرہ وغیرہ۔ بریلوی حضرات کو یہ بڑی اصولی غلطی لگی ہوئی ہے جس پر غور نہیں کرتے ''سماع موتی'' کے مسئلے میں بھی وہ اسی غلطی کا شکار ہیں چنانچہ آئندہ واضح ہو جائے گا (انشاء اللہ)

پہلی بات: جو اس سلسلے میں صاحب رسالہ نے پیش کی ہے وہ موت کی تعریف ہے۔ جسکا خلاصہ پہلے علماء نے یہ کیا ہے کہ موت کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان کی روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے اور روح فنا نہیں ہوتی بلکہ دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ (شرح الصدور صفحہ ۵۶ از امام سیوطیؒ)

سماع موتی کی دو طریق سے تردید: قارئین خیال فرمائیں کہ اس کا ''سماع موتی'' سے کیا تعلق؟ جبکہ ''سماع موتی'' کی دو طرح سے تردید ہے۔

پہلی وجہ تردید:

ایک یہ کہ کان میں خدا نے پٹھے رکھے ہیں جن میں قوت سامعہ ہے جب روح بدن سے جدا ہو گئی تو سننے کا آلہ نہ رہا۔ اب سنے گا کیا؟ اسی لیئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''انك لاتسمع الموتی'' یعنی اے محمدؐ! تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔

اس بناء پر کتب فقہ ''باب الیمین'' میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ میں زید سے کلام نہیں کروں گا اور اس نے زید کے مرنے کے بعد زید سے کلام کی تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور نہ ہی اس پر کفارہ واجب ہے کیونکہ زید بات نہیں سن سکتا کیونکہ وہ آلہ ہی نہ رہا جس سے وہ سنے گا۔ یہاں ایک اہم بات یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر آلہ کے بھی سنا سکتا ہے مگر یہ کلام ''خرق عادت ہوگا'' اور خرق عادت کے لیئے پہلے ثبوت چاہیے اور ثبوت کے بعد وہ اپنے محل پر بندر ہے گا۔

دوسری وجہ تردید: یہ ہے کہ روح جب منتقل ہو گئی تو وہ ''علیین'' یا ''سجین'' میں پہنچ کر بہت

دور چلی جائے گی اور اتنی دور سے، ''سماع'' ناممکن ہے۔ بہر صورت صاحب رسالہ اپنی تردید آپ ہی کررہے ہیں مگر ان کو پتہ نہیں لگتا کہ میں کیا لکھ رہا ہوں۔

سچ ہے:

اے چشم اشکبار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

دوسری بات: دوسری بات بحوالہ ''احیاء العلوم'' از امام غزالیؒ سے یہ نقل کی ہے کہ موت سے میت کا علم زائل نہیں ہوتا یعنی دنیا کے حالات اس کو یاد رہتے ہیں (رسالہ ھذا صفحہ ۵۷) اس کا بھی ''سماع موتی'' سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ بحث تو اسی میں ہے کہ اب سنتا ہے یا نہیں؟ حیات دنیا کے واقعات یاد رہنا الگ چیز ہے۔ اس کے بعد صاحب رسالہ صفحہ ۵۷۔۵۸ میں کسی سے نقل کیے بغیر خود اپنا اجتہاد پیش کرتے ہیں لیکن قارئین کرام جانتے ہیں کہ جو نقل میں اپنی تردید کرے وہ عقل سے کیا گل کھلائے گا خیر سنئے فرماتے ہیں:

خاصان خدا، جب اس دار الفناء سے با امن و عافیت سفر کر جاتے ہیں تو ان کی روحانی اور امتیازی قوت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس دنیاوی حیات میں ان سے جو کشف و کرامات اور دیگر خوارق عادت ظہور میں آتے ہیں وہ ان کی روحانی طاقت اور لطیف جسم کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ عوام کثیف الابدان سے معجزات و کرامات کبھی صادر نہیں ہوتے اور اگر جسمانی قوت کا نتیجہ ہوتے تو ہر فرد اپنی طاقت کے مطابق اس پر قادر ہوتا چونکہ جس چیز سے صدور کرامات ہے اس کو موت نہیں وہ ہر وقت زندہ ہے۔ قبور میں ''موتی'' کے اجسام دفن کیے جاتے ہیں نہ کہ ''ارواح'' اور جب ارواح کو موت نہیں تو روحانی قوتیں صاف اور تیز ہو جاتی ہیں اور بقول نام سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ تنہا ندا با ہو قبہ جنہاں دا جیوے ہو۔ خاص و عام ان کے مزارات سے فیوض ظاہری و باطنی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۵۷،۵۸)

فلاسفہ کا خیال ہے کہ نفس ناطقہ یعنی روح فی نفسہ صاف وشفاف ہے۔ مادے (بدن) کی ظلمت اوراس کا اندھیرا اس پر چھایا ہوا ہے۔ جب (اندھیرا) بدن سے جدا ہو جاتا ہے تو ہر شئے کا اس پر انکشاف ہوتا ہے۔ صاحب رسالہ نے اس خیال کو انبیاء علیہم السلام پر چسپاں کر کے ان کے ابدان (واجسام) اطہر کی توہین کر دی کہ معاذ اللہ ان کے بدن ان کے لیئے ظلمت تھے۔ اہلحدیث کو تو یہ ویسے ہی بدنام کر دیتے ہیں کہ یہ بزرگوں کے گستاخ ہیں۔ درحقیقت سب کچھ آپ ہی ہیں۔ ان کے خیال میں رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر معاذ اللہ ظلمت تھا اور دوسری طرف دعویٰ ہے کہ آپ نور ہیں تف ہے ایسے دعووں پر کہ جو مبنی بر توہین بھی ہوں اور متضاد بھی ہوں۔

اس کے علاوہ اور سنیئے ادھر کہتے ہیں کہ قبر میں ''جسم'' ہے ''روح'' نہیں اور ادھر کہتے ہیں ''قبر جنہاں دی جیوے ہو'' جیئے کس سے جب روح ہی نہیں۔ مزارات سے فیوض ظاہری و باطنی کس طرح ملتے ہیں؟ کس قدر متضاد باتیں ہیں۔ ہم تو پہلے ہی کہتے ہیں کہ برے لوگوں کی روحیں سجین میں ہیں اور ''نیکوں'' کی علیین میں ہیں۔ اس لیئے اگر قبروں پر جانا ہو تو موت کی یاد کے لیئے اور ان کے حق میں دعا کے لیئے جانا چاہیے کیونکہ قبر پر جا کر ان کی زندگی کا نقشہ سامنے آتا ہے۔ اور شفقت رحمت جوش مارتی ہے اور دعا زیادہ خلوص سے پر ہو جاتی ہے مگر بریلوی حضرات کی عجیب حالت ہے کہ باوجود ماننے کے کہ قبروں میں روحیں نہیں (پھر بھی) فیوض ظاہری و باطنی کے لیئے قبروں پر جاتے ہیں۔ خیر یہ تو صاحب رسالہ کے اجتہاد کی حقیقت اور عقل کا موازنہ تھا۔

اب اصل مقصد کی طرف آیئے جب یہ تسلیم کر لیا کہ بطور ''خرق عادت'' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہاتھ پر کوئی بات ظاہر کر دیتے ہیں تو پھر استعانت اور ''امداد'' کا سلسلہ ہی بند ہو گیا کیونکہ ''خرق عادت'' اپنے محل پہ بند رہتے ہیں چنانچہ کئی دفعہ بیان ہو چکا

ہے۔اس کے بعد صاحب رسالہ نے صفحہ ۵۹ سے ۶۷ تک ''سماع موتی'' اور مسئلہ استعانت کے متعلق سچے جھوٹے کچھ حوالہ جات ذکر کیے ہیں قارئین ان کی حقیقت بھی سن لیں۔

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے متعلق پہلی دلیل:

بخاری اور مسلم میں ابو سعید خدریؓ کی حدیث ہے کہ جب لوگ جنازہ کو (قبرستان میں لے جانے کے لیئے) اٹھا لیتے ہیں تو وہ اگر نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے آگے بڑھاؤ اور اگر نیک نہ ہو تو کہتا ہے ''ہائے خرابی! اسے کہاں لے جاتے ہو؟'' انسان کے سوا ہر چیز اس کی آواز کو سنتی ہے اگر انسان سن لے تو بیہوش ہو جائے (صفحہ ۵۹)

جواب: اس حدیث کا نہ ''سماع موتی'' سے تعلق ہے نہ مسئلہ استعانت سے نہ روح کا ذکر ہے بلکہ جسم کے بولنے کا ذکر ہے۔ جو خرق عادت ہے اور خرق عادت کا حال کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ اس میں صاحب رسالہ کی تردید بھی ہے کیونکہ ہم باوجود اس کے بولنے کے اس کی آواز نہیں سنتے حالانکہ ہم میں روح ہے تو بے روح ہو کر (مردہ) کس طرح سنے گا۔ ہاں! اس کو لوگوں کے اٹھانے کا پتہ دیا جاتا ہے مگر چونکہ یہ چیز ''خرق عادت'' ہے اس لیئے یہیں بند رہے گی اس پر اور کسی کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اور اس پتہ دینے میں حکمت یہ ہے کہ ہمیں یہ حقیقت سنائی جائے تا کہ ہمارے دل میں ڈر پیدا ہو اور نیک بننے کی کوشش کریں۔

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں دوسری دلیل:

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے گھر کے اس حصہ میں جس میں رسول پاک ﷺ کا مزار پاک ہے بغیر نقاب کے داخل ہو جاتی اور خیال کرتی کہ اس میں

میرا خاوند اور میرا باپ ہے جب حضرت عمرؓ دفن ہوئے تو اللہ کی قسم پھر میں بغیر مکمل ستر کے وہاں کبھی داخل نہ ہوتی ''حیاء من عمر'' یعنی عمرؓ کے شرم وحیا کی وجہ سے (مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور صفحہ ۵۹)

اس پر صاحب رسالہ لکھتے ہیں ''فرمایئے! اگر اہل مزارات کو کچھ نظر نہیں آتا تو اس شرم کے کیا معنی؟ میرے خیال میں ایک موتمر قائم کر کے بریلوی حضرات کی عقل کا جائز لینا چاہیے خدا کے بندے اتنا نہیں سوچتے کہ عمر رضی اللہ عنہ مٹی کے ڈھیر کے نیچے ہیں۔ اگر کوا تنا بڑا ڈھیر مٹی کا عمر رضی اللہ عنہ کی نظر کو نہیں روک سکتا تو عائشہ رضی اللہ عنہا کی چادر وہاں کیا کر سکتی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عمرؓ کا احترام کرتی تھیں۔ ''حیاء'' کی وضع کو قائم رکھنا چاہتی تھیں۔ کیونکہ زندگی کا تصور سامنے آجاتا ہے اس لیئے حیاء من عمر کہا ''سترا من عمر'' نہیں کہا۔ لیکن بریلوی حضرات ایسی رمزوں کو کیا سمجھیں کہ جو ''چادر'' کو ''مٹی کے ڈھیر'' پر ترجیح دے رہے ہیں انا للہ اس کے علاوہ یہ روایت ضعیف ہے ملاحظہ ہو (تنقیح الرواۃ)

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ ما من احد یمر بقبر اخیه المومن من کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الاعرفه ورد علیه السلام تصححه عبدالحق قال رضی اللہ عنه یدل الحدیث ان المیت یعرف زائره ویدعوه بالخیر ان السلام دعاء فیصح الاستعانة منه.

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر سے گزرتا ہے۔ جو اس کو دنیا میں پہچانتا تھا پس اس پر سلام کہے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ میت اپنے زائر کو پہچانتی ہے اور اس کو بھلائی کے ساتھ یاد کرتی ہے کیونکہ ''سلام'' ایک ''دعا'' ہے۔ پس اس سے ''استعانت'' صحیح اور جائز ہوتی ہے (صفحہ ۴۱)۔

جھوٹے مذہب کی علامت یہ ہے کہ اس میں جھوٹ اور بددیانتی سے کام لیا جاتا ہے سو یہی حال بریلوی حضرات کا ہے۔ اس حدیث میں روح کے لوٹانے کا بھی ذکر ہے چنانچہ ابن قیم علیہ الرحمتہ نے کتاب الروح صفحہ ۴ میں حافظ ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے۔ بریلوی حضرات نے اس کو اپنے ''مدعاء استعانت'' کے خلاف سمجھ کر ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اسی سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:

پہلی بات: یہ کہ ''میت'' نہیں سنتی ورنہ روح کے لوٹانے کیا ضرورت؟

دوسری بات: یہ کہ (روح کا) یہ لوٹانا ''سلام'' کے جواب کی خاطر ہے نہ کہ لوگوں کی درخواستیں یا دوسری باتیں سننے کی خاطر۔

تیسری بات: یہ ہے (روح کا) لوٹانا واقف کی خاطر ہے جس سے دنیا میں اس کی دوستی تھی نہ کہ ہر ایک کے لیئے پھر (روح کا) یہ لوٹانا ''خرق عادت'' سے ہے اور ''خرق عادت'' اپنے محل پر بند رہتے ہیں۔ پس اس سے مسئلہ ''استعانت'' کی جڑ ہی کٹ گئی نہ کہ ''استعانت'' ثابت ہوئی اس کے علاوہ ایک اور صورت سے بھی ''استعانت'' کی جڑ کٹ جاتی ہے خواہ روح کے لوٹانے کا ذکر حدیث میں ہو یا نہ ہو اور یہ کہ جب انسان گہری نیند سو جاتا ہے تو وہ نہ سنتا ہے نہ جواب دے سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت ''نیند'' سے بڑھ کر ہے پس اس میں سننا یا جواب دینا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟ پس یہ ''خرق عادت'' ہوا اور ''خرق عادت'' اپنے محل پر بند رہتا ہے پس اس سے ''استعانت'' پر استدلال غلط ہو گیا اس

کی زیادہ تفصیل ہمارے رسالہ "سماع موتی" کے صفحہ ۱۳ میں ملاحظہ ہو۔

بریلوی حضرات سے سوال: عبدالحق سے کون مراد ہیں؟ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ یا محدث عبدالحق۔ متقدمین میں سے جو بھی مراد ہوں، ان کا تعین کریں اور ان کی کتاب کا نام اور پورا حوالہ دیں ورنہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ آخر کی عبارت آپ کا اضافہ ہے اس لیئے حوالہ مبہم کر دیا تاکہ حقیقت کا پتہ نہ لگے۔

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں تیسری دلیل:

مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے (صفحہ ۶۱)

جواب: یہاں بھی بریلوی حضرات نے بددیانتی سے کام لیا ہے۔ اس حدیث میں ہے اس وقت مردہ حساب کے لیے بٹھایا جاتا ہے اور روح لوٹائی جاتی ہے پس یہ سننا اس وقت کے لیئے خاص ہے اور رد المختار جلد ۳ صفحہ ۱۴۲ باب الیمین فی القرب میں بھی بحوالہ فتح القدیر یہی لکھا ہے کہ یہ مردے کے دفن کے ساتھ خاص ہے تاکہ مردے سے (منکر نکیر کا) سوال جواب ہو۔

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں چوتھی دلیل:

صحیح مسلم میں ہے۔ جو کافر جنگ بدر میں مارے گئے ان کی لاشیں بدر کے کنویں میں بھر دی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا "کیا تم نے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے عذاب کا وعدہ سچا پایا مجھ سے جو اللہ نے فتح و کامرانی کا وعدہ فرمایا تھا (وہ) سچا فرمایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "آپ ایسے جسموں سے کیوں کلام کرتے ہیں جن میں روحیں نہیں؟ آپ نے فرمایا، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے زیادہ نہیں سنتے

مگر یہ مجھے جواب نہیں دے سکتے (صفحہ ۶۱۔۶۲)

جواب: فتح الباری میں سہیلیؒ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں اس کا جواب موجود ہے کیونکہ صحابہ کا یہ کہنا کہ آپ ایسے جسموں سے کیونکر کلام کرتے ہیں جن میں روحین نہیں؟ یہ اس بناء پر ہے کہ انہوںؓ نے اس کو "خرق عادت" سمجھا پس یہ بطور معجزہ ہوا۔ جو عام چیز نہیں چنانچہ کئی دفعہ بیان ہوا ہے اور اس حدیث کے راوی قتادہؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان (کافروں) کو زندہ کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ (بخاری جزء ۱۶ باب قتل ابو جہل)

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے زیادہ نہیں سنتے یعنی ان کے سننے کو اس قول (جو کچھ میں کہہ رہا ہوں) کے ساتھ خاص کیا۔ ورنہ آپؐ فرماتے مردوں سے تم زیادہ سننے والے نہیں فافهم!

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں پانچویں دلیل

حدیث میں ہے الدنیا سجن المومن یعنی دنیا مومن کا قید خانہ ہے [1]

---

(۱) وضاحت دوسرا معنی اس حدیث کا یہ ہے کہ کافر دنیا میں خواہ کتنی ہی تکلیف میں ہو مرنے کے بعد جو اس کو عذاب ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں دنیا جنت ہے اور مومن دنیا میں خواہ کتنے مال و دولت میں ہو۔ لیکن مرنے کے بعد جو آرام اس کو ملتا ہے اس کے مقابلہ میں دنیاوی عیش قید ہے۔
قارئین کرام! خیال فرمائیں کہ بریلوی حضرات نے حدیث کا ایک ٹکڑا حذف کر کے حدیث کے مطلب کو کس طرح بدلا ہے کہ بیہودانہ تحریف کو بھی مات کر دیا ہے۔ انا للہ! اس کے علاوہ ان کی مثال بالکل شیخ چلی والی ہے۔ ماں اس کی بیماری تھی اور وہ اس کے منہ سے مکھیاں اڑا رہا تھا۔ ایک مکھی بار بار بیٹھتی تو اسی کو کہا "اب کے بیٹھی تو پتھر ماروں گا" بس پتھر مار کر ماں کا منہ زخمی کر دیا۔
یہ (بریلوی) حضرات بھی بزرگوں کو بڑھاتے بڑھاتے ان کی توہین کر دیتے ہیں اس حدیث میں اگر قید سے مراد بدن ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ بزرگ دنیا میں معجزانہ یا کرامتانہ طور پر کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکتے نہ کسی کی فریاد سن سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ جکڑے ہوئے ہوتے ہیں آزاد نہیں۔
دیکھئے کس قدر توہین ہے اور کس طرح معجزات اور کرامات سے صاف انکار ہے شیخ سعدی مرحوم سچ فرماتے ہیں:

ترا اژدھا گر بود یار غار   ازیں بہ کہ جاہل بود غم گسار

صاحب رسالہ لکھتے ہیں مومنین کی ارواح اس دنیا سے رحلت فرما کر ایسی ہی آزاد ہو جاتی ہیں جیسے قید خانہ سے قیدی رہائی پا کر (صفحہ ۶۳)

جواب: اس سے صاحب رسالہ کا مقصد یہ ہے کہ روح بدن میں قید ہے جب موت کے وقت بدن سے جدا ہوتی ہے تو آزاد ہو کر ہر جگہ پہنچتی ہے اور مدد کرتی ہے لیکن صاحب رسالہ نے اس میں زبردست مغالطہ دیا ہے اس حدیث کا دوسرا ٹکڑا **وجنة الکافر** ہے یعنی ''دنیا کافر کے لئے جنت ہے۔

بریلوی حضرات اس کے دو معنی کرتے ہیں ایک یہ کہ کافر شریعت کا پابند نہیں ہوتا بلکہ آزادانہ طور پر خواہش نفسانی کا تقاضہ پورا کرتا ہے اس لیئے دنیا کافر کے لیئے جنت ہے اور اس کے مقابلہ میں مومن شریعت کی قید اور اس کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے اس لیئے دنیا اس کے لیئے قید خانہ ہے وہ دنیا سے جدا ہو کر عیش وعشرت میں چلا جاتا ہے اور جنت سے اس کو رزق ملتا ہے چنانچہ مومن کی روح پرندہ کی شکل میں جنت میں کھاتی پیتی اور عیش کرتی ہے اور شہدا کے متعلق قرآن مجید میں صاف موجود ہے کہ **بل احیاء عند ربھم یرزقون** یعنی خدا کے پاس زندہ ہیں رزق دیے جاتے ہیں یہی وہ زندگی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ انہیں فرماتے ہیں ان کی زندگی کو تم نہیں سمجھ سکتے'' کیونکہ وہ برزخی زندگی ہے'' جہاں عقل کی رسائی محال ہے۔

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں چھٹی دلیل:

سلطان باہوؒ کہتے ہیں:

ان اولیاء اللہ لایموتون۔ (بلاشبہ اولیاء اللہ نہیں مرتے)

جواب: ان سے پوچھیں کہ یہ کونسی آیت وحدیث ہے قرآن وحدیث میں تو انبیاء علیھم

السلام کو بھی موت لکھی ہے۔سلطان باہو بیچارے کی کیا اوقات۔

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں ساتویں دلیل:

صاحب رسالہ نے بے حوالہ ایک حدیث ذکر کی ہے۔

الولی فی الحیوۃ الدنیا کا لبعید من الحبیب یحضر ویغیب وبعد الموت ھو کلملازم الخاص المقیم علی باب حبیبہ لاحاجب عنہ.

"ولی دنیا میں اس شخص کی طرح ہے جو اپنے حبیب سے دور ہو کبھی حضور میں ہو کبھی غائب اور بعد از موت وہ ولی اللہ اس ملازم خاص کی طرح ہے کہ جو اپنے حبیب کے دروازے پر ہمیشہ کے لیئے مقیم ہو۔اور اسے سے کسی قسم کا حجاب نہ ہو۔

جواب: بریلوی حضرات کو چیلنج ہے کہ یہ کوئی حدیث نہیں۔اگر ہمت ہے تو اس کا ثبوت دو اور اس کی صحیح سند پیش کرو۔اس کے علاوہ اگر "حبیب" سے مراد اللہ کی ذات ہے تو "اللہ" سے تو کوئی چیز غائب نہیں۔ولی "اللہ" سے کس طرح غائب ہوا؟ کیا یہ کلمہ کفر نہیں؟ ہاں! اگر "ولی" کے اللہ سے غائب ہو جانے کے یہ معنی ہوں پھر "ولی" کیسا؟ کہ جو اللہ سے غافل ہے پھر مسئلہ "استعانت" سے اس کا کیا تعلق؟ کیونکہ یہ اللہ اور ولی کا آپس کا معاملہ ہے اور "استعانت" کا تعلق ہم سے ہے اور اگر حبیب سے مراد مرید ہے تو "ولی" کو "مرید" کے دروازے پر ملازم کی طرح مقرر کرنا کیا اس میں "ولی" کی توہین نہیں؟ اور "موت" سے پہلے غائب کہنا۔کیا یہ آپ (بریلویوں) کے مسئلہ حاضر وناظر کے خلاف نہیں؟

قارئین کرام! خیال فرمائیں کہ بریلوی حضرات نے "حدیث" گھڑی بھی تو بے سوچے سمجھے۔جھوٹ کو "سچ" کر دکھانا بھی ایک فن ہے۔پہلے اس میں مہارت تو پیدا کرلو۔

پھر جھوٹی حدیثیں گھڑو پھر اللہ تعالیٰ امام احمد بن حنبلؒ اور امام یحییٰ بن معین جیسے افراد پیدا کر دیگا جو بال کی کھال اتار دیں گے۔ سر دست تو ہم ہی کافی ہیں۔

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں آٹھویں دلیل:

اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شاہ عبدالحق دہلوی سے نقل کرتے ہیں:

اولیاء خدا نقل کردہ شدند نزد پروردگار خود و مرزوق اند مردم را از اں شعور نیست۔

ترجمہ: اولیاء اللہ دار فانی سے ''دار البقاء'' کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور پھر اپنے پروردگار کے نزدیک زندہ ہیں اور خوشحال ہیں لیکن لوگوں کو اس سے شعور نہیں (صفحہ ۶۴)

جواب: یہ وہی بات ہے جو نمبر ۵ میں "**الدنیا سجن المومن**" کے مطلب بیان ہو چکی ہے۔ گویا صاحب رسالہ نے اپنی تردید آپ ہی کر دی۔ لیکن جیسے لوگوں کو ''اولیاء اللہ'' کی زندگی کا شعور نہیں (کیونکہ وہ برزخی حیات ہے) ایسے ہی صاحب رسالہ کو اپنی تحریر کا شعور نہیں کہ کیا لکھ رہا ہوں۔ اپنی تردید کر رہا ہوں یا تائید؟ کاش! اپنے دماغ کا ایکسرے لے لیتے۔ انا اللہ

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں نویں دلیل:

مرقاۃ شرح مشکوۃ ملا علی قاری سے نقل کرتے ہیں کہ ''اولیاء اللہ نہیں مرتے'' (صفحہ ۶۴)

جواب: اس کا بھی ذکر ہو چکا ہے۔ ہاں! اگر یہ مراد ہو کہ ''روح'' نہیں مرتی تو یہ مسلم ہے لیکن روح علیین میں ہے یا ''سجین'' میں اس کا ہم سے کیا تعلق؟ البتہ ''خرق عادت'' میں کوئی بات سنی سنائی جائے تو وہ اپنے مقام پر بند رہتی ہے **کما مر مرارا**

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں دسویں دلیل:

امام شیخ الاسلام شہابؒ فرماتے ہیں: معجزات الانبیاء و کرامات الاولیاء لا [illegible]

''انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کرام کی کرامتیں منقطع نہیں ہوتیں۔

جواب: معجزات و کرامات ''خرق عادت'' ہیں جن کا جواب کئی دفعہ ہو چکا ہے۔

سماع موتی پر دلیل ۱۱:

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ علیہ اپنی کتاب ''لمعات'' میں فرماتے ہیں:

''بزیارت قبر ایشان رود و از اں جانب انجذاب فیض دریوزہ کند۔''

''اولیاء اللہ کی قبر کی زیارت کے واسطے جائے اور اس جگہ حصول فیض کی بھیک مانگے۔

جواب: قبروں کی زیارت ''اصلاح دل'' کے لیئے اکسیر ہے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے اور موت، قبر' اور قیامت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر قبر والا بزرگ ہو تو اس کا اثر دل پر خاص طور سے پڑتا ہے کیونکہ زیارت سے پہلے ہی دل میں اس کی بزرگی اور محبت کا جذبہ ہوتا ہے جب زیارت قبر ساتھ مل جاتی ہے تو دل کے تاثرات اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ ''دل'' بے اختیار روتا ہے۔ بس یہ خاص فیض ہے۔ جو بزرگ کی قبر کی زیارت سے حاصل ہوتا ہے نہ یہ کہ اس سے حاجات مانگے اور اس سے اپنی ضروریات کا سوال کرے۔

چنانچہ خود ہی شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

جو لوگ نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کے لیئے قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور بزرگوں کی روحوں کو جملہ احوال سے باخبر جان کر عاجزی اور انکساری کے ساتھ ان سے دعائیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

''ہماری فلاں حاجت پوری کر دو'' یا کہتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کرو کہ ہمارا عقدہ کشائی ہو'' تو پیغمبر ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم ان لوگوں کے اس نئے دین اور عقیدہ باطلہ سے بیزار ہیں۔ (البلاغ المبین مترجم صفحہ ۵۹)

اور اس سے ایک دو ورق پہلے لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ سے حاجت روائی چاہنا، ان کو پکارنا، اور ان کی قبروں پر فریاد کرنے کے لیئے جانا، ان کی عبادت کے برابر ہے۔ اگر چہ یہ لوگ اپنے زعم میں ایسا نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہم تو صرف قبروں کی زیارت کرتے ہیں ان کی عبادت نہیں۔
(البلاغ المبین مترجم صفحہ ۵۵)

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں بارہویں دلیل:

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی "تذکرۃ الموتیٰ والقبور" میں فرماتے ہیں:

اولیاء اللہ دوستان ومعتقدان را در دنیا وآخرت مددگاری مے کنند ودشمنان را ہلاک مے نمایند۔

ترجمہ: اولیاء اللہ دنیا اور آخرت میں دوستوں اور معتقدوں کی امداد فرماتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔

جواب: اس کا جواب چودھویں دلیل کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں تیرویں دلیل:

بحوالہ رسالہ تکمیل الایمان مصنفہ شاہ عبدالحق مرحوم دہلوی امام غزالی کا قول ہے:

ہر کہ در حیات دے بہ دے تبرک وتوسل جویند، بعد از موتش نیز توانند جست دریں سخن موافق لیلی است چہ بقائے روح بعد از موت بدلالت احادیث واجماع علماء رحمہم اللہ ثابت است۔

ترجمہ: جس شخص کے ساتھ اس کی زندگی میں تبرک اور وسیلہ چاہیں۔ اس کی موت کے بعد

بھی ''بقائے روح'' احادیث اور ''اجماع علماء'' سے ثابت ہے۔

جواب: امام غزالی مرحوم نے اپنی کتاب ''کیمیائے سعادت'' وغیرہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ ''موت'' کی حقیقت بیان کی ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انسان تین چیزوں کو مجموعہ ہے ''بدن'' روح حیوانی جو ایک قسم کا جسم لطیف ہے غذا سے پیدا ہوتا ہے دماغ میں پہنچ کر معتدل ہو جاتا ہے۔ روح انسانی جو فرشتوں کی قسم کا یک جوہر ہے جس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔ روح انسانی جو کچھ کمالات حاصل کرتی ہے اس کا ذریعہ ''روح حیوانی'' ہے۔ اور موت کی حقیقت روح حیوانی کا ''فنا'' ہو جانا ہے۔ اگر بدن سے جدا ہو کر روح انسانی سے اس قسم کا کوئی کام صادر ہو جائے وہ ''خرق عادت'' کی قسم سے ہوگا۔ پس رسالہ تکمیل الایمان میں موت کے بعد کے حالات کو ''حیات'' پر قیاس کرنا اور یہ کہنا کہ موت کے بعد وسیلہ پکڑنا ایسا ہی ہے جیسے حیات میں۔ یہ امام غزالیؒ کے اس بیان کے سراسر خلاف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو کچھ مصنف کی اپنی کتاب میں ہو وہ اس پر مقدم ہے کہ جو دوسرا بیان کرے پس رسالہ کیمیائے سعادت کا بیان رسالہ ''تکمیل الایمان'' کے بیان پر مقدم ہوگا۔

اس کے علاوہ نواب صدیق حسن خان مرحوم نے دلیل الطالب کے صفحہ ۱۰۰ تا صفحہ ۱۰۹ میں اور فتاوی جلد ۲ کے صفحہ ۱۹ تا صفحہ ۲۲ میں امام غزالیؒ کی بابت لکھا ہے کہ ان کی حالت اچھی نہ تھی، ان کے خاتمہ کے بابت کئی علماء نے لکھا ہے کہ بخاری شریف چھاتی پر رکھ کر فوت ہوئے جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ میں اس عقیدہ پر مرتا ہوں جو بخاری میں ہے۔ یعنی پرانے عقیدہ پر جو ''سلف'' کا عقیدہ ہے اور بخاری کے حوالہ سے پہلی قسطوں میں گزر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استسقاء میں کہا کہ ''یا اللہ! پہلے ہم تیرے نبیؐ سے وسیلہ پکڑتے تھے اب تیرے نبیؐ کے چچا (عباسؓ) سے وسیلہ پکڑتے ہیں، اس سے صاف

ظاہر ہوا کہ سلف، فوت شدہ بزرگوں سے وسیلہ پکڑنے کے قائل نہ تھے پس وفات کے وقت امام غزالی کا بھی یہی عقیدہ ہوا کیونکہ وہ صحیح بخاری چھاتی پر رکھ کر فوت ہوئے ہیں۔

(شرح فقہ اکبر از ملا علی قاری وفتاوی نواب صدیق حسن خان جلد ۲ صفحہ ۲)

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں چودھویں دلیل:

(۱۴) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں زیر آیت کریمہ: **ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات،** لکھتے ہیں۔

"وقد تواتر عن کثیر من الاکابر انھم ینصرون اولیاء ھم ویدمرون اعداء ھم.

ترجمہ: بڑے بڑے اکابر سے بہ تواتر منقول ہے کہ اولیاء اللہ بعد وفات اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔

جواب: اس میں شبہ نہیں کہ روح کا معاملہ برزخی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **من ورائھم برزخ الی یوم یبعثون.**

ترجمہ: مرنے والوں کے ورے اس دن تک پردہ ہے جس دن وہ اٹھائے جائیں گے یعنی قیامت تک (پارہ ۱۸ ارکوع ۶)

جب روح کا معاملہ "برزخی" ہے تو ہمیں اس پر کس طرح اطلاع ہوگی کہ روحیں کیا کر رہی ہیں۔ قرآن وحدیث میں کہیں ذکر نہیں کہ روحیں مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔ اور اگر بالفرض کہیں آیا بھی ہو تو "برزخ" کا سارا معاملہ خرق عادت ہے اور خرق عادت اپنے مقام پر بند رہتا ہے چنانچہ کئی دفعہ بیان ہوا اور قاضی ثناء اللہ صاحب" پانی پتی نے بھی اپنی تفسیر کے اس مقام میں اس طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

ینصرون اولیاء هم ویدمرون اعداء هم ان شاء اللّٰه

یعنی ان کا مدد کرنا اور دشمنوں کا ہلاک کرنا جب بھی اللہ چاہتا ہے تو یہ کام لے لیتا ہے ورنہ وہ مختار نہیں۔

اور اپنی کتاب "مالا بدمنه" مترجم صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام باقی مخلوق کی طرح کچھ "علم قدرت" نہیں رکھتے مگر جتنا اللہ نے دے دیا۔

اور تتمہ (کتاب) "مالا بدمنه" صفحہ ۱۳۹ میں ہے:

اگر بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور (یا یہ کہے) کہ میں نے اللہ اس کے رسول اللہ ﷺ کو گواہ کیا (یا یہ کہے) کہ میں نے میں نے فرشتہ کو گواہ کیا تو کافر ہو جائے گا (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو اور فرشتہ کو عالم الغیب سمجھا)

اب بریلوی حضرات غور کریں کہ جب بزرگوں کو تمہارے حالات کی خبر ہی نہیں تو ان کو پکارنا کیسے؟ بریلوی حضرات کی عجیب حالت ہے کہ وہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تلاش کرتے ہیں۔ اور ان کی تصریحات کی پرواہ نہیں کرتے جگہ جگہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں پندرہویں دلیل:

امام شافعیؒ "میزان کبریٰ" میں فرماتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین اپنے تابعداروں کی شفاعت کرتے ہیں اور سختیوں میں ان کا لحاظ رکھتے ہیں۔ دینا، عالم برزخ اور قیامت میں یہاں تک کہ پل صراط پار ہو جائیں۔

جواب: برزخ، قبر اور قیامت یہ سب "خرق عادت" ہیں۔ سو جتنا آ گیا اتنا تسلیم ہے۔ قیامت کو گناہ کی شفاعت کا ذکر آیا ہے مگر "برزخ" میں اس کا ثبوت نہیں ملتا خیر اگر بالفرض "برزخ" میں کہیں آیا ہو تو اس کو بھی اسی طرح سمجھ لیں، یعنی بوجہ "خرق عادت" ہونے کے اپنے محل پر بند رہے گا۔

صاحب رسالہ کی سماع موتی کے بارے میں سولھویں دلیل:

ابو مسعودؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کاموں میں حیران ہو جاؤ تو ''اہل قبور'' سے مدد مانگا کرو۔''

جواب: بے حوالہ حدیث ذکر کی ہے تا کہ حقیقت کا پتہ نہ لگ جائے شاہ ولی اللہؒ صاحب ''بلاغ المبین'' صفحہ ۴۰ میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث جھوٹی ہے اور رسول اللہ ﷺ پر بہتان ہے۔ قبر پرستوں کی بنائی ہوئی اس قسم کی بعض اور جھوٹی حدیثیں بھی شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں۔ قارئین کرام: خیال فرمائیں کہ اس سے بڑھ کر کسی مذہب کے جھوٹا ہونے کی علامت کیا ہوگی کہ اس کی لیے حدیثیں گھڑی جائیں افسوس!

یہ ٹھہرے دین کے راہنما اب
لقب انکا ہے وارث انبیاء اب

غیر اللہ سے استمداد کرنے والے اصحاب کی فہرست:

اس عنوان کے تحت صاحب رسالہ نے چند اشخاص کا ذکر کیا ہے جو صاحب رسالہ کے خیال میں غیر اللہ سے استمداد کے قائل ہیں۔ پھر اہل توحید پر اعتراض کیا ہے کہ ''اگر غیر اللہ سے استمداد شرک ہے تو کیا یہ سب مشرک تھے؟''

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ جو ''ایاك نستعین'' کے خلاف کرے وہ مشرک ہے۔ لیکن ایک شئے یہاں غور طلب ہے وہ یہ کہ کتب فقہ میں لکھا ہے:

اگر کسی کے کلام میں ۹۹ وجوہات کفر کی ہوں اور ایک وجہ ''اسلام'' کی ہو تو اس کے کلام کو ایک وجہ پر محمول کرنا چاہیے یعنی یہی اس کی مراد سمجھنی چاہیے اور اس پر ''کفر'' کا فتوی

نہ دینا چاہیے۔ملاحظہ ہو کتاب مالا بدمنہ اب ہم اس فہرست پر ترتیب وار نظر کرتے ہیں۔

(۱) تفسیروں میں زیر آیہ کریمہ **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا** لکھا ہے کہ یہود جب مشرکوں سے لڑتے تو یہ دعا کرتے۔

اللھم انصرنا علیھم بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد صفته فی التوراة

ترجمہ: یا اللہ! نبی آخر زمان کے ذریعہ ہماری مدد کر، جس کی صفات ہم ''توراۃ'' میں پاتے ہیں (صفحہ ٦٨)

جواب: اول تو یہود کی بات دلیل نہیں۔دوم اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اس نبی کو جلدی بھیج تاکہ اس کے ساتھ ہو کر ہم دشمنوں سے لڑیں اور فتح پائیں۔

(ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ١٢٤ وغیرہ)

(۲) نابینا صحابیؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کی دعا سے بینا ہو گیا۔

جواب: پہلے صفحات میں گزر چکا ہے۔

(۳) شاہ ولی اللہؒ صاحب نے "**انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ**" میں حاجت روائی کے لیے یہ عمل لکھا ہے:

چار نفل پڑھ کر ایک سو گیارہ دفعہ درود شریف، کلمہ تمجید ایک سو گیارہ دفعہ اور ایک سو گیارہ دفعہ شیئاً للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی (صفحہ ٦٩)

جواب: شاہ ولی اللہؒ نے "**شیئاً للہ**" کے وظیفہ کی تردید کی ہے۔ملاحظہ ہو (بلاغ المبین صفحہ ١٧)

(۴) شاہ عبدالحق دہلوی کی کتاب ''اخبار الاخیار'' میں ہے۔

بہر صورت کہ باشد یار سول اللہ! کرم فرما

بہ لطف خود سرو سامان جمع بے سرو پا کن

جواب: شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی طرف اس شعر کی نسبت صحیح نہیں کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کے قائل ہی نہیں۔

(مقدمہ مشکوۃ فی مصطلحات الحدیث صفحہ ۱)

تنبیہہ: اس کے بعد صفحہ ۵۔۶۔۷ میں شمس تبریز شاہ ابوالمعالی ملا جامی کے اس قسم کے اشعار ذکر کیے ہیں۔ یہ لوگ شاعر تھے، قرآن وحدیث کے ماہر نہ تھے۔ نہ سچی جھوٹی احادیث میں فرق کر سکتے ہیں، شاعرانہ تخیلات میں بہت دور نکل جاتے تھے۔ خاص کر شاہ ابوالمعالی تو زیادہ ہی تخیل پرست ہیں تحفہ قادریہ میں ایسی ایسی باتیں بھر دی ہیں جن کا نہ قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت ہے نہ کسی بڑے امام کی معتبر کتاب میں اس کا حوالہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ وغیرہ کی طرف بعض بے سند باتیں نسبت کردی ہیں چنانچہ گذشتہ صفحات میں اس کا نمونہ گزر چکا ہے۔ بجائے اس کے کہ ایسے لوگوں کی کسی بات کا سہارا لیا جائے ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کر دینا چاہیے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے پہلے کے لوگوں کے متعلق سوال کرنے پر کہا تھا: **قال علمها عند ربي في كتاب۔** یعنی گزشتہ لوگوں کا علم میرے رب کے پاس لوح محفوظ میں ہے۔

(۵) خدایا بحق بنی فاطمہ کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ (طہ:۵۲)

جواب: **لفظ بحق میں احتمالات:** اس شعر میں اللہ سے سوال ہے اور یہ عین مقصد ہے رہا ''بحق'' کا لفظ تو اس میں تین احتمال ہیں۔

پہلا احتمال: یہ کہ ان کو خدا تعالیٰ نے حق شفاعت دیا ہے۔ کیونکہ انبیاء، اولیاءؒ اور فرشتے گنہگاروں کی ''اذن الٰہی'' سے شفاعت کریں گے۔

دوسرا احتمال: یہ کہ نیک اعمال پر اللہ تعالیٰ نے اجر اور ثواب کا وعدہ کیا ہے سو اس بنا پر بندے کا حق ''اللہ'' پر ہو جاتا ہے کہ وہ اس پر مہربانی کرے۔

تیسرا احتمال: یہ ہے جو معتزلہ کا خیال ہے کہ بندہ اپنے فعل کا خود خالق ہے اس بنا پر جب بندہ نیکی کرتا ہے تو عقلاً اللہ پر واجب ہے کہ اس کو اس کا معاوضہ دے۔ یہ تیسرا احتمال تو گمراہی ہے کیونکہ ہر چیز کی خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کوئی دوسرا خالق نہیں اس لیے اہل سنت معتزلہ پر گمراہی کا فتوی دیتے ہیں۔

دوسرا احتمال ٹھیک ہے مگر اس کے معنی یہاں ٹھیک نہیں بیٹھتے کیونکہ اپنے نیک عمل کے حقدار تو خود بنی فاطمہؓ ہیں۔ اس ''حق'' کے ذریعہ یا اس ''حق'' کے طفیل سوال کرنے کے کچھ معنی بھی نہیں اگر کوئی تکلف کرے تو ادھر ذہن ہی نہیں جاتا۔ ہاں! پہلا معنی ہو سکتا ہے کہ ''اللہ'' ان کو اذن دے کہ میرے لیئے وہ دعا کریں اور ان کی دعا سے میرا خاتمہ اچھا ہو لیکن دوسرے دو احتمال چونکہ غلط ہیں بلکہ تیسرا گمراہی ہے۔ اس اشتباہ کی بناء پر اس کلمہ سے روکا جاتا ہے۔ بلکہ ''حنفی'' حضرات نے بھی اس کو ناجائز لکھا ہے (ملاحظہ ہو ردالمختار وغیرہ)

اگر اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو ہمارا رسالہ ''وسیلہ بزرگان'' اور رسالہ ''دعائے بحرمت انبیاء'' دیکھیں اس قسم کے مسائل کی (ان رسائل میں) پوری وضاحت کر دی ہے۔

تنبیہ: صاحب رسالہ نے شیخ سعدیؒ کے بعض اشعار بھی ذکر کیے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ مخاطب ہیں مثلاً

چہ کم گردد اے صدر فرخندہ پے — زقدر، رفیعت بدرگاہ وے

کہ باشند مشت گدایاں خیل مہمان دار السلامت طفیل

ترجمہ: کیا کم ہوگا اے مسند نشین تیری قدر و منزلت اللہ کے ہاں بہت بلند ہے کہ قوم کے گدا گروں کا ایک گروہ آپ کی طفیل بہشت کے مہمان خانہ میں ہو (صفحہ ۳۷)

جواب: بعض دفعہ جذبہ محبت میں ''محبوب'' کی خیالی صورت کو خطاب کیا جاتا ہے اور کبھی اسی جذبہ میں ''محبوب'' کے وطن کی چیز کو خطاب کیا جاتا ہی مگر یہ خطابات مجازی ہوتے ہیں، حقیقت مقصود نہیں ہوتے اس قسم کے مجازی خطابات کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحبؒ ''بلاغ المبین'' کے صفحہ ۷۴ میں لکھتے ہیں:

اس مجازی مفہوم کی لطافت کو کچھ اہل ذوق ہی خوب سمجھتے ہیں۔

حافظ شیرازیؒ کا مصرعہ ہے

اے نسیم سحر آرام گہہ یار کجا است

یعنی اے سحری کی ہوا محبوب کی قیام گاہ کہاں ہے؟

اس مصرع میں صرف محبوب کی ''محبت'' کا اظہار ہے کہ آپ کی شفاعت سے یا اتباع سے یا محبت سے جنت نصیب ہو جائے۔ خطاب مقصد نہیں اور شاعرانہ تخیل بھی مجازی خطاب کا موید ہے کیونکہ شعر کی بناء ہی زیادہ تر تخیل پر ہے۔ لیکن شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس مقام پر یہ بھی ہدایت کی ہے کہ اس قسم کے خطاب سے بچنا چاہیے کیونکہ عام طور پر اس سے ''شرک'' کا شبہ پڑتا ہے۔

تنبیہ: بریلوی حضرات کی عجیب حالت ہے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تلاش کرتے ہیں اور بزرگوں کی تصریحات کو چھوڑ دیتے ہیں شیخ سعدیؒ اپنی کتاب ''کریما'' کے ابتداء ہی میں صاف فرماتے ہیں۔

نہ داریم غیر از تو فریاد رس   توئی عاصیاں را خطا بخش وبس

ترجمہ: یا اللہ! تیرے سوا ہماری فریاد کوئی سننے والا نہیں ہے۔ تو ہی گناہگاروں کا بخشنے والا ہے اور بس۔

خیال فرمایئے۔ کیسے صاف الفاظ میں ''استمداد از غیر اللہ'' سے انکار ہے بہرے کو آفتاب نظر نہ آئے تو اس کا کیا علاج؟

۹۔ حضرت بہاء الدین ملتانی رحمہ اللہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی شان میں فرماتے ہیں:

اغث یا غوث صمدانی   منم سائل تو سلطانی

تو محروم نہ گردانی   محی الدین جیلانی

یعنی یا غوث صمدانی میری فریاد رسی کیجئے۔ میں سائل ہوں اور آپؒ بادشاہ مجھے اپنی مدد سے محروم نہ ٹھہرایئے آپ ''دین'' کے زندہ کرنے والے ہیں۔

جواب: اس کا حوالہ نہیں دیا اور بے حوالہ چیز کا اعتبار نہیں ہوتا خیر اگر بفرض محال یہ حوالہ ان کا ہو (بفرض محال) تو پھر ان کے مشرک ہونے میں شبہ نہیں اگر وفات سے پہلے توبہ نہیں کی تو معاذ اللہ شرک پر خاتمہ ہوا۔

تنبیہ: اس کے بعد خواجہ معین الدینؒ کے شعر ذکر کیے ہیں مگر وہ بھی بے حوالہ ہیں گویا صاحب رسالہ کی ہمت ختم ہوگئی ہے، اب بے حوالہ ہی کام چلانے لگ گئے ہیں۔ پھر ان اشعار میں کوئی نئی چیز نہیں صرف خواجہ صاحب نے رسول اللہ ﷺ کو باران رحمت اور مرہم شفاعت کہا ہے اور رحمت اور شفاعت سے کسی کو بھی انکار نہیں اس کا ذکر ہی یہاں بے موقعہ ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ شفاعت چونکہ ''بالاذن'' ہوتی ہے۔ اس لیئے قرآن وحدیث میں جہاں ''اذن'' کا ذکر ہے وہ وہیں ہوگی نہ عام۔ رہا بعض اشعار میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرنا اس کا جواب شیخ سعدیؒ کے اشعار میں پہلے ذکر گزر چکا ہے۔

(۱۰) علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ ''ردالمختار'' شرح ''درمختار'' میں گم شدہ چیز کے ملنے کے لیئے فرماتے ہیں:

''بلندی پر جا کر حضرت سید احمد بن علوان عینی رحمہ اللہ علیہ کے لیئے ''فاتحہ'' پڑھے پھر یوں ''ندا'' کرے ''یاسیدی! احمد یا ابن علوان'' تو وہ گم شدہ چیز انشاء اللہ ضرور بالضرور مل جائے گی''۔

وہ ''سماع موتی'' کے قائل ہی نہیں ہیں تو ''نداء'' کے کیا معنی؟

(۱۱) تنبیہہ: اس نمبر میں قصیدہ نعمانیہ کے چند ''اشعار'' ذکر کیئے ہیں جن میں نبی ﷺ سے ''شفاعت'' اور ''سخاوت'' کا سوال ہے حالانکہ امام ابوحنیفہؒ نے کتاب ہی کوئی نہیں لکھی بلکہ ''فقہ اکبر'' کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ ان کی ہے یا نہیں؟ پھر اس میں ''نبیاء کے علم غیب'' کی نفی ہے۔ ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر۔

امام ابوحنیفہؒ اور سماع موتی: پھر ''غرائب فی تحقیق المذاہب'' میں لکھا ہے:

ایک شخص تقریباً ایک ماہ قبور الصالحین پر جاتا رہا اور ان سے دعا کی درخواست کرتا رہا آخر امام ابوحنفیہؒ نے اس کو ڈانٹا اور کہا کہ ''تو ایسے جنوں کو پکارتا ہے جو تیری بات نہیں سنتے اور نہ کچھ اختیار رکھتے ہیں نہ کوئی جواب دے سکتے ہیں'' تفصیل کے لیئے ہمارا رسالہ ''سماع موتی'' ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۵ نیز امام ابوحنفیہؒ کا مذہب ہے کہ قبر نبویؐ پر جائے تو ''سلام'' قبر کی طرف منہ کر کے نہ کہے بلکہ قبلہ رخ کھڑا ہو۔ دوسرے امام کہتے ہیں کہ دعا کے وقت قبلہ رخ کھڑا ہو اور سلام کے وقت قبر ''مطہرہ نبوی کی طرف'' (اس دعا سے مراد وہ دعا ہے جو اہل قبور کے لیئے کی جاتی ہے تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو رسالہ ''سماع موتی'' صفحہ ۳۹ صفحہ ۴۵ صفحہ ۶۱ صفحہ ۸۰۔۸۱ اور صفحہ ۱۲۹۔۱۳۰۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سلام کے وقت قبلہ رخ ہونا: مگر امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ ''سلام بھی دعا ہے اس لیئے اس میں بھی قبلہ رخ ہو اور قبر نبویؐ کی طرف پیٹھ ہو'' چنانچہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور ہم نے بھی رسالہ ''سماع موتیٰ'' صفحہ ۱۲۷ میں بحوالہ کتاب ''صیانۃ الانسان'' صفحہ ۲۵۳ تصنیف شیخ عبدالبر بن سندی نے اس کی تفصیل کی ہے جب امام ابوحنیفہ اتنے محتاط ہیں کہ قبور صالحین پر جا کر بھی کسی قسم کی درخواست کی اجازت نہیں دیتے اور قبر مطہرہ نبویؐ کی طرف منہ کر کے سلام سے بھی منع فرماتے ہیں تو وہ خود غائبانہ یا قبر پر سوال کس طرح کر سکتے؟ پس قصیدہ نعمانیہ کی نسبت ان کی طرف بالکل غلط ہے اور محض بہتان ہے۔

وظیفہ الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللّٰہ

اس وظیفہ کا ثبوت ''صاحب رسالہ'' نے یہ دیا ہے کہ لفظ ''یا'' تو تشہد میں موجود ہے اور نماز کے ہر ''قعدہ'' میں مصلی "**السلام علیك ایھا النبی ورحمہ اللّٰہ وبرکاتہ**'' پڑھتا ہے (صفحہ ۷۷)

جواب: مشکوۃ ''باب الصلوۃ علی النبی'' میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ''سلام'' و ''درود'' پہنچانے کے لیئے فرشتے مقرر ہیں پس ''السلام علیک ایھا النبی'' میں خطاب ایسا ہوا، جیسے دوست کو خط لکھتے ہیں تو اس خیال سے خطاب کرتے ہیں کہ ڈاکیہ پہنچا دے گا۔ نیز یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو معراج کی رات خدا کی طرف سے ہوا تھا ملاحظہ ہو رسالہ ''سماع موتی'' صفحہ ۱۲ بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ، اور کبیری شرح منیہ اور مسک الختام شرح بلوغ المراد وغیرہ۔

اس کو محفوظ رکھنے کے لیئے ہمیں بھی اسی طرح کہنے کا حکم ہے چنانچہ **قل اعوذ**

برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس، جب ہم اپنے لئے پڑھتے ہیں "قل" کا لفظ بھی ساتھ ہی پڑھتے ہیں حالانکہ "قـــل" دوسرے کے لیئے ہے اس کے علاوہ بریلوی حضرات وظیفہ "الـصـلـوۃ" حاضر وناظر جان کر پڑھتے ہیں حالانکہ آپؐ حاضر وناظر نہیں اگر بالفرض کوئی حاضر ناظر نہ جانے تو حاضر ناظر جاننے والوں سے مشابہت رکھے اور جیسے "شرکی" کلمہ منع ہے ایسے ہی یہ مشابہت بھی منع ہے چنانچہ اس مشابہت کی بنا پر کلمہ "راعنا" منع کیا گیا۔ ملاحظہ ہو قرآن مجید پارہ ارکوع ۱۲)

صاحب رسالہ کا جھوٹ: نوٹ: صاحب رسالہ نے اس وظیفہ کے ثبوت میں یہ کہا ہے کہ اس پر "اجماع امت" ہے حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے اگر ہمت ہے تو سلف یعنی "خیر قرون" سے اس کا ثبوت پیش کردیں کم از کم امام ابوحنیفہؒ ہی سے سہی۔ لیکن یاد رکھئے کہ سارے بریلوی جمع ہو جائیں تو اس کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ پس درود وسلام کا ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے درود وسلام سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوسکتا۔ ہاں! اپنی طرف سے کوئی نیا طریقہ جاری نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہر "بدعت" گمراہی ہے اور ہر گمراہی کی سزا جہنم کی دھکتی ہوئی آگ ہے۔

دلائل الخیرات حدیث کی کتاب نہیں: نوٹ: صاحب رسالہ نے "دلائل الخیرات" کا حوالہ بھی پیش کیا ہے حالانکہ "دلائل الخیرات" کوئی حدیث کی کتاب نہیں۔ پھر دلائل الخیرات سے جو حدیث پیش کی ہے وہ (حدیث بھی) بریلویہ کے خلاف ہے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"انـا اسـمع صلوۃ اهـل مـحبتی واعـرفهـم وتعرض علی صلوۃ غیرهم عرضا"

یعنی میں اپنے محبوں کا درود خود سنتا ہوں اور ان کو پہچانتا ہوں اور اغیار کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے (صفحہ ۷۹)

جب رسول اللہ ﷺ "اغیار" کا درود سنتے نہیں اور نہ ان کو پہچانتے ہیں تو نتیجہ ظاہر ہی کہ آپؐ حاضر ناظر نہیں اور نہ عالم الغیب ہیں اس صورت میں محبت والوں کے درود سننے کے معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ "خرق عادت" آواز (آپ کو) پہنچا دیتا ہے جیسے حضرت عمرؓ کی آواز "یا ساریۃ الجبل" اللہ تعالیٰ نے پہنچادی۔ اسی طرح پہچان بھی "خرق عادت" ہے اور "خرق عادت" کی بابت کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ وہ اپنے محل پر بندر ہتے ہیں لیکن اس جواب کی ضرورت اس وقت ہوگی کہ جب "دلائل الخیرات" کی حدیث ثابت ہو جائے جب حدیث ہی بے ثبوت ہے تو معاملہ ہی ختم۔

حدیث انسؓ ضعیف ہے: اس طرح کی ایک حدیث انسؓ بے حوالہ ذکر کی ہے کہ مجھ پر درود بھیجنے کے ساتھ اپنی مجالس کو زینت دو صاحب رسالہ نے تو اس حدیث کو بے حوالہ ذکر کیا ہے مگر ہم نے جامع صغیر امام سیوطیؒ دیکھی تو اس کی جلد دوئم صفحہ ۲۸ میں اس کو ضعیف لکھا ہے اور اس جامع صغیر کی شرح فیض القدیر جلد چہارم صفحہ ۴۹ میں اس کے کئی راوی ضعیف لکھے ہیں بلکہ ایک راوی محمد بن حسن نقاش کی بابت تو لکھا ہے کہ جھوٹ کے سات متہم ہے پس یہ حدیث بالکل ردی ہوگئی۔ پھر یہ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ مجلسوں سے مراد کاروباری مجلسیں ہیں جن میں صلاح مشورے ہوتے ہیں ان میں خطبہ درود اور ذکر الٰہی ضرور ہونا چاہیے باقی طریقہ درود کا وہی چاہیے جو قرآن و حدیث سے یا "سلف" سے ثابت ہے نہ کہ اپنا ایجاد کردہ۔

صاحب رسالہ کی بے خبری: صاحب رسالہ سے یہاں ایک غلطی اور بھی ہوئی ہے وہ یہ

کہ یہ ''حدیث'' انسؓ کی بتائی ہے حالانکہ جامع صغیر میں ابن عمرؓ سے لکھی صاحب رسالہ بیچارے کو کیا پتہ ویسے کسی رسالہ سے نقل کر لی انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

صاحب رسالہ لکھتے ہیں اگر "السلام علیك ایها النبی "کی بجائے "السلام علی النبی "پڑھیں تو آقائے دوجہاں ﷺ کے فرمان کے صریحا خلاف ورزی ہے۔ حالانکہ بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد "التحیات "میں "السلام علیك "کی بجائے "السلام علی النبی "روایت کیا ہے۔ اور فتح الباری میں عطاء تابع نے روایت کی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی وفات کی بعد السلام علی النبی کہتے۔

قارئین کرام! بریلوی حضرات کی جرات ملاحظہ فرمائیں کہ صحابہ ؓ کو بھی رسول اللہ ﷺ کے نافرمان بنا دیا انا للہ اہل حدیث کو تو ویسے ہی بدنام کیا جاتا ہے۔ دراصل ''بے ادب'' اور ''گستاخ'' تو بریلوی حضرات خود ہیں۔

تقبیل ابہامین: حضور ﷺ کے نام پر انگوٹھے چومنا اس کے ثبوت میں آیۃ کریمہ "وتعزروه وتوقروه "پیش کی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے عزت کرنے کا ذکر ہے اور طریقہ وہ ہی اختیار کرنا چاہیے جو صحابہؓ کرتے چنانچہ صحابہؓ مجلس میں ادب سے بیٹھتے حکم اطاعت کرتے آپ کی آواز پر آواز بلند نہ کرتے آپ کا نام یا محمد! ﷺ کہہ کر نہ پکارتے بغیر اجازت مجلس سے نہ جاتے اس طرح کے ''ادب آداب'' بہت تھے اور دنیا ہمیشہ بزرگوں کے ''ادب آداب'' بجالاتی ہے مگر انگوٹھے کوئی بھی نہیں چومتا یہ بریلوی حضرات کی جدت ہے اور ''جدت'' دین میں ''بدعت'' ہے اور ''بدعت'' گمراہی ہے۔

تقبیل ابہامین کی روایات موضوع: صاحب رسالہ نے تفسیر روح البیان اور ''صلوۃ مستودی'' وغیرہ کے حوالہ سے انگوٹھے چومنے کی روایتیں رسول اللہ ﷺ سے ذکر کی ہیں مگر یہ ''موضع'' یعنی جھوٹی ہیں ان کا کوئی ثبوت نہیں ملاحظہ ہو کہ انگوٹھے چومنا مستحب ہے مگر ثبوت نہ ہو تو مستحب تو کجا ''بدعت'' ہوا جو سراسر گمراہی ہے۔

مزارات اولیاء کرام اور طریقہ فاتحہ خوانی: اس عنوان کے تحت صاحب رسالہ لکھتے ہیں: ہم چند ایک حوالہ جات ذیل میں درج کرتے ہیں جن میں طریقہ فاتحہ خوانی ''آداب مزار اولیاء کرام'' اور ذکر ''کشف قبور'' وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے اور جو معترضین کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات ہیں۔

حوالہ جات: منقول از ''آداب الطالبین'' مصنف حضرت شیخ محمد ابن قطب الاولیاء، شیخ الاتقیاء شیخ حسن محمد از نبیرگان حضرت مولانا خواجہ نصر الدین چراغ دہلویؒ (مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۳ء (صفحہ ۲۴۔۲۵)

زیارت قبر و طریقہ فاتحہ خوانی: چوں بزیارت قبر رود باید کہ چوں نزدیک رسد نہ بسیار، نیز قدم نہد، نہ بسیار آہستہ میانہ شود و اگر حرج نہ باشد طواف کند، و اگر نہ کند، باک نہ (چوں طواف کند در طواف تکبیر گوید، و بعد فاتحہ خواندن گوید۔ اے حضرت شیخ مدد کنید کہ فلاں در نیکی ما باشد و نام شیخ خود گیرد یا ''نام'' کہ شیخ حکم کردہ باشد یا نام شیخ گیرد کہ ایں مے خواہد کہ از روئے فیض گیرد و در وقت فاتحہ خواندن پشت بہ جانب قبلہ کند و روئے بہ جانب ایشاں کند اگر فرح نہ باشد بعدہ قبر او را بوسہ دہد و رخسار، مالد یا دست را، قبر نہادہ بوسہ دید یا بر، سر، مالد و در وقت بازگشت سہ قدم

پس رود و بعدہ، پشت بہ جانب ایشاں کند و فاتحہ اگر باین طریق خواند خوب است اول درود خواند پس "الحمد" پس "آیۃ الکرسی" سہ بار پس "الھاکم التکاثر" ہفت بار پس "اخلاص" یازدہ بار پس درود۔

ترجمہ: یعنی جب طالب "زیارت قبر" کو جائے اور نزدیک پہنچے تو نہ زیادہ تیزی سے چلے اور نہ بہت آہستہ میانہ روی اختیار کرے اور اگر حرج نہ ہو تو طواف کرے اور اگر نہ کرے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اوور جب طواف کرے تو "تکبیر" کہے فاتحہ خوانی کے بعد صاحب مزار کی خدمت میں عرض کرے "یا حضرت! میری مدد کیجئے کہ فلاں بزرگ میرے کارِ خیر میں مددگار رہوں" اور اپنے شیخ کا "نام" لے یا اس بزرگ کا "نام" لے جن سے فیض حاصل کرنا چاہتا ہے فاتحہ پڑھنے کے وقت پشت "قبلہ" کی طرف کرے اور چہرہ صاحب مزار کی طرف اگر کسی قسم کا حرج واقع نہ ہو تو اس کے بعد قبر کو بوسہ دے یا سر پہ ملے اور واپسی پر تین قدم الٹے چلے اسکے بعد ان بزرگوں کی طرف پیٹھ کرے اور فاتحہ اگر اس طریقہ پر پڑھے تو بہتر ہے اور "درود شریف" اس کے بعد "الحمد شریف" تین مرتبہ "آیۃ الکرسی اس کے بعد سورۃ "الھاکم التکاثر" سات بار پھر سورۃ "اخلاص" گیارہ مرتبہ بعدہ درود شریف۔ ماخوذ از انتباہ فی سلاسل الاولیاء از تصنیف لطیف زبدۃ المفسرین وقدوۃ المحدثین حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ (مطبوعہ برقی پریس دہلی ۱۳۴۲ھ صفحہ ۹۹۔۱۰۰)

ذکر برائے کشف قبور: بداں کہ ذکر برائے کشف قبور اول چوں در مقبرہ آید دوگانہ بروح آں بزرگوار ادا کند اگر سورۃ "فتح" یاد باشد در اول رکعت بخواند و در دوم "اخلاص" الا در ہر دو رکعت پنج بار "اخلاص" بخواند و بعدہ قبلہ را پشت دادہ بنشیند و یک بار آیۃ الکرسی و بعضے سور تہا کہ در وقت زیارت سے خوانند

چنانچہ سورہ ''ملک'' وغیرہ ذلک بعد، ''قل'' گوید پس از فاتحہ یازدہ بار، سورہ ''اخلاص'' یہ خواند و ختم کند، و تکبیر گوید، و بعدہ ہفت کرت طواف کند و در آں تکبیر بخواند، و آغاز از، راست بکند بعدہ طرف پایاں رخسار نہد، و بیاید نزدیک روئے میت بشیند، و بگوید ''یارب'' بست و یکبار، بعدہ اول حرف ''آسمان'' بگوید ''یاروح'' و در اول ضرب کند ''یاروح الروح'' مادام کہ انشراح باید ایں ''ذکر'' بکند انشاء اللہ تعالیٰ کشف قبور و کشف ارواح حاصل آید۔

ترجمہ: تو جان کہ ذکر کشف قبور کے واسطے اول جب مقبرہ میں آئے تو دوگانہ ان بزرگوں کی روح کے واسطے پڑھے اگر سورہ ''فتح'' یاد ہو تو پہلی رکعت میں پڑھے اور دوسری میں سورہ ''اخلاص'' اور نہیں تو ہر رکعت میں پانچ پانچ مرتبہ سورہ ''اخلاص'' پڑھے اور پھر قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے ایک دفعہ ''آیت الکرسی'' اور بعض سورتیں مثلاً سورہ ''ملک'' وغیرہ (جو بوقت زیارت تلاوت کرتے ہیں) پڑھے۔ اس کے بعد ''قل'' کہے۔ اس کے بعد بعد فاتحہ گیارہ بار ''سورۃ اخلاص'' پڑھے اور ختم کرے اور تکبیر کہے اس کے بعد سات مرتبہ طواف کرے اور اس میں تکبیر پڑھے اور شروع دائیں طرف سے کرے پھر پاؤں کی طرف رخسار رکھے اور اہل قبر کے چہرے کے نزدیک بیٹھے اور کہے ''یارب'' اکیس بار بعدہ اول طرف آسمان کے کہے ''یاروح'' اور دل پر ضرب لگائے ''یاروح الروح'' حتی کہ ''انشراح'' پائے۔ یہ ذکر ہے انشاء اللہ تعالیٰ کشف قبور اور کشف ارواح حاصل ہوگی (صفحہ ۸۵ تا ۸۹) صاحب رسالہ ''اس قسم کے حوالہ جات بے شمار ہیں مگر مصداق عاقل را اشارہ کافی است انہی ہر دو مستند حضرات کے اقوال پر اکتفاء کیا جاتا ہے ماننے والوں کے تسکین قلوب کے لیے محولہ بالا عبارت از بس کافی ہیں لیکن نہ ماننے والوں کے مرض کا تو دنیا کی کسی شفا خانے میں علاج نہیں ہو سکتا۔ (صفحہ ۸۹)

صاحب رسالہ نے چند ایک حوالہ جات کا وعدہ کیا تھا۔لیکن اب دو حوالوں پر ہمت ہار دی اور در حقیقت ان دو پر بھی ان کو اعتماد نہیں کیونکہ پہلے صاحب شیخ محمد بن شیخ حسن محمد بریلوی ہیں اور صاحب رسالہ جانتے ہیں کہ ''بریلوی'' کے کلام کا ذکر یہاں بے موقع ہے اس بناء پر صاحب رسالہ شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام کو سامنے رکھ کر اہل حدیث کو الزام دیتے ہیں چنانچہ اس کے بعد لکھتے ہیں:

بدعقیدہ افراد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دلدادہ اور معتقدین سے ہیں اوران کے کلام پر یقین رکھتے ہیں۔

اب قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ شاہ صاحب نے اکثر ان افعال حسنہ کو جائز قرار دیا ہے جن کی بناء پر اہل سنت والجماعت پر کفر وشرک کے فتوے چسپاں کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) قبر پر جانا (۲) قبر کے پاس دو رکعت نماز پڑھنا (۳) اس بزرگ کی روح کو ثواب پہنچانا (۴) قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھنا (۵) قبر کا سات دفعہ طواف کرنا (۶) قبر پر اپنا رخسار رکھنا (۷) اہل قبر کے منہ کے نزدیک بیٹھنا اور دل میں ''یا روح الارواح'' کی ضرب خوب لگانا شاہ صاحب کے نزدیک سب درست اور جائز ہے۔

اب اگر ''نجدیہ'' کسوٹی پر مذکورہ بالا عبارت کو پرکھا جائے تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نعوذ باللہ کس حد تک ''شرک'' کی تعلیم کی اشاعت کر گئے ہیں۔ بدعقیدہ لوگوں کا فرض ہے کہ پہلے حضرت محدث دہلوی رحمہ اللہ پر فتوی کفر وشرک لگائیں اور پھر کسی دوسرے سنی حنفی پر ورنہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

توبوا الی اللہ توبہ نصوحا (صفحہ ۸۹)

اس تفصیل سے قارئین کرام کو معلوم ہو گیا کہ محض رعب ڈالنے کے لیے صاحب

رسالہ نے لکھ دیا کہ بے شمار حوالہ جات ہیں۔ درحقیقت ترکش وتھیلہ خالی ہے صرف کلام شاہ ولی اللہ صاحب ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' ہے جس پر صاحب رسالہ نے سارا زور صرف کر دیا ہے لیکن اب اس کی حقیقت سنئے:

شاہ ولی اللہ کا مناظرہ: شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک کتاب ''بلاغ المبین'' بزبان فارسی لکھی ہے جو مدت سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اب قریباً تین سال ہوئے ''الہلال بک ایجنسی فاروق گنج بیرون شیرانوالہ لاہور'' نے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے اس کتاب میں ایک پیر پرست سے شاہ صاحب نے اپنا ایک مناظرہ درج کیا ہے جو قبروں سے ''استفادہ روحانی'' کے متعلق ہے۔

پیر پرست: جیسے زندہ بزرگ کی صحبت میں مودبانہ طریق سے بیٹھ کر اس کی باطنی توجہ سے باطنی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں ویسے ہی اس کے مزار سے بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ قول ہے:

ان اولیاء اللہ لایموتون۔ بلاشبہ اولیاء اللہ مرتے نہیں۔

شاہ صاحب: یہ قول تمہارے دعوے کی دلیل نہیں ہو سکتا کیونکہ امور دینیہ دلیل تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور ''اجماع امت'' ہے۔ نہ کہ زید، عمرو اور بکر کے اقوال اور یہی مذہب ان بزرگان سلف کا ہے جن کا قول قابل اجتہاد ہے (صفحہ ۱۴۴-۱۴۵)

اس پیر پرست کی جواب میں اس سے تھوڑا پہلے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

علماء ان قبروں کی زیارت کرنے اور ان کے حق میں دعا کرنے سے نہیں روکتے۔ باقی رہی ان کے مزارات سے فائدہ اٹھانے کی بدعت تو یہ محض اہل قبور کی اختراع ہے آنحضرت ﷺ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ (صفحہ ۱۴۳-۱۴۴)

لیجئے شاہ صاحب نے تو دوٹوک فیصلہ کر دیا کہ ’’کشف قبور‘‘ وغیرہ کوئی چیز نہیں بلکہ بدعت ہے اب ہم اس رسالہ (جس کا جواب ہم لکھ رہے ہیں) کا بدعت ہونا ثابت کرتے ہیں۔

اس رسالہ کے صفحہ ۹۰ پر لکھا ہے اصول دین چار ہیں:

(۱) قرآن مجید (۲) احادیث نبویؐ (۳) فقہ (۴) اجماع امت۔[1]

عقائد حقہ اور باطلہ کا مختصر موازنہ: اس عنوان کے تحت صاحب رسالہ نے صفحہ کے دو کالم بنا کر ایک کالم میں اہل سنت کے چند عقائد بیان کئے ہیں اور دوسرے کالم میں اہل باطل کے ’’اہل سنت‘‘ سے اپنا فرقہ مراد لیا ہے اور ’’اہل باطل‘‘ سے دوسرے فرقے۔ لیکن ظاہر ہے کہ نام رکھنے سے نہ کوئی ’’اہل سنت‘‘ بنتا ہے اور نہ تہمت دھرنے سے کوئی اہل باطل قرار پاتا ہے کیونکہ دارو مدار عقائد پر ہے۔ صاحب رسالہ نے ’’اہل سنت‘‘ کے جو عقائد بیان کئے ہیں ان میں سے بعض ’’اہل سنت‘‘ کے عقائد نہیں بلکہ ’’اہل بدعت‘‘ کے ہیں۔ انہیں (عقائد) کی اور ان جیسے (دیگر عقائد) کی بناء پر ہم بریلوی حضرات کو ’’اہل بدعت‘‘ کہتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہو جائیں تو حقیقی معنی میں ’’اہل سنت‘‘ کہلانے کے مستحق ہو جائیں ورنہ اب تو وہ بناوٹی اہل سنت بنتے ہیں۔ اصول دین ان کو ’’اہل سنت‘‘ نہیں بناتے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام میں بھی بیان ہوا ہے۔

اسی طرح صاحب رسالہ نے دوسرے کالم میں جو اہل باطل کے عقائد بیان کئے ہیں وہ سارے ’’اہل باطل‘‘ کے نہیں۔ گویا ’’اہل سنت‘‘ کے عقائد کا نہ پہلا کالم ہے۔ نہ دوسرا کالم

---

(۱) وضاحت۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ اگر سارے بریلوی حضرات جمع ہو جائیں تو ان چار اصولوں سے اس کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے اور جو بات دین میں ایسی داخل کر لی جائے جو ان اصولوں سے ثابت نہ ہو وہی بدعت ہے۔ پس اس طریقے سے زیارت اور کشف قبور کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں اس کی زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو ہمارا رسالہ ’’سماع موتیٰ‘‘ ملاحظہ کریں۔

بلکہ ''بین بین'' ہیں اس لیئے ہم دونوں کالموں کے عقائد نمبروار ذکر کرتے ہیں۔اور ساتھ ساتھ ہم اپنی رائے کا ''اظہار'' بھی کردیں گے۔انشاء اللہ تعالیٰ تاکہ قارئین کرام کو صاحب رسالہ کے انداز اور بیان کا اندازہ ہو جائے اور
حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے میں سہولت ہو۔

ہماری رائے کا ''عنوان'' تبصرہ ہوگا۔

(۱) کالم اول

اللہ تعالیٰ کی ذات تمام نقائص و عیوب سے پاک ہے۔

کالم دوم

بعض بدعقیدہ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے۔

مسئلہ امکان کذب:۔

تبصرہ: صاحب رسالہ کو لکھنا نہیں آتا مقابلہ کا لحاظ کرتے ہوئے یوں لکھنا چاہیئے تھا کہ ''اللہ تعالیٰ کی ذات جھوٹ بولنے پر قادر نہیں'' کیونکہ نقائص و عیوب سے پاک تو سب ہی مانتے ہیں اگر کہا جائے کہ ''جھوٹ بولنے پر قادر ہونا'' یہ نقص اور عیب ہے اس بناء پر مقابلہ صحیح ہوگیا تو اس کے جواب میں دوسرا فریق کہہ سکتا ہے کہ ''جھوٹ پر قدرت نہ رکھنا یہ نقص وعیب ہے'' اس لیئے خدا کی ذات کو اس سے پاک ماننا چاہیئے اس صورت میں مقابلہ ایک اور چیز میں ہوگیا یعنی جھوٹ پر قدرت رکھنا یا قدرت نہ رکھنا ان دونوں سے کونسا ''عیب'' ہے اور کونسا کمال ہے۔پس صاحب رسالہ کو اس کا فیصلہ کرنا چاہیئے تھا تاکہ رسالہ پڑھنے والا کسی نتیجہ پر پہنچتا ویسے لکھنے سے کیا فائدہ؟ اب ہم اصل مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

بریلویہ و دیوبندیہ اور مسئلہ امکان کذب: بریلویہ اور دیوبندیہ میں ''امکان کذب''

کے بارے میں بحث چلی تھی یعنی خدا جھوٹ بولنے پر قدرت رکھتا ہے یا نہیں؟ فریقین کی طرف سے اس پر بہت کچھ لکھا تھا جس تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ مختصر یہ کہ بریلویہ نے یہ کہا کہ ''جھوٹ عیب ہے'' اور عیب پر قدرت ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ کی ذات میں عیب پیدا ہو سکتا ہے حالانکہ اللہ کی ذات میں عیب پیدا ہونا محال ہے۔ دیوبندیہ نے اس کے مقابلے میں کئی پہلو اختیار کیے ایک یہ کہ جب ایک شئے پر ایک مقام میں ایک نتیجہ مرتب ہو اور دوسرے مقام میں دوسرا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی ذات کو کوئی بھی لازم نہیں کیونکہ جو شئے ذات کو لازم ہوتی ہے وہ جہاں ذات ہوگی وہاں وہ ہوگی۔ مثلاً ایک ملک لوگ کے ''سیاہ'' ہیں ایک ملک کے سفید ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ''سیاہی'' ''سفیدی'' انسانیت کی ذات کو لازم نہیں ورنہ سارے سیاہ ہوتے یا سارے سفید ہوتے جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب جھوٹ کو دیکھئے کہ یہ ''فی نفسہ'' عیب ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ ''فی نفسہ'' عیب نہیں کیونکہ اگر ''فی نفسہ'' عیب ہوتا تو شرع اس کو کسی موقع پر مستحسن نہ سمجھتی (حالانکہ ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ مشہور ہیں) اور دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے کے لیئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ ایسے ہی کئی موقعہ میں جہاں جھوٹ کی اجازت ہے بلکہ کئی دفعہ واجب ہو جاتا ہے جیسے کافر ظالم سے مسلمان بھائی کی جان بچانے کے لیئے جھوٹ بولنا جائز ہے پس معلوم ہوا کہ عیب ہونا جھوٹ کی ذات کو لازم نہیں تو اس پر قدرت ہونے سے خدا کی ذات میں کوئی نقص نہیں پیدا ہو سکتا۔

دوسرا پہلو دیوبندیہ نے یہ اختیار کیا کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ جیسے اللہ کا ''حی قیوم'' سمیع بصیر ہونا عالم الغیب ہونا وغیرہ وغیرہ اور ایک اللہ تعالیٰ کے افعال جیسے پیدا کرنا، رزق دینا، مارنا، زندہ کرنا وغیرہ وغیرہ اور ''افعال'' ''ارادہ'' کے تحت ہوتے ہیں اور جو چیز ''ارادہ'' سے ہو اس پر قدرت ضروری ہے اور

اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا بھی اسی قسم سے ہے پس اللہ تعالیٰ کلام پر قادر ہوا۔

کلام کی اقسام: کلام کی دو قسمیں ہیں سچی اور جھوٹی۔ جو اصل پر قادر ہوتا ہے وہ اس کے افراد پر بھی قادر ہوتا ہے۔ بلکہ اصل پر قادر ہونے کے معنی ہی افراد پر قادر ہونا ہے کیونکہ شئے کا وجود انہی افراد ہی سے ہوتا ہے جیسے صرف انسان خارج میں کوئی شئے نہیں بلکہ زید عمر و بکر کا وجود ہی انسانی وجود ہے پس جھوٹ پر قدرت سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ اگر جھوٹ ''عیب'' ہو تو اس سے بچنا کمال ہوگا اور کمال اسی صورت میں ہوگا کہ اس پر قدرت ہو۔ اگر قدرت نہ ہو تو اس سے بچنے کے کچھ معنی ہی نہیں مثلاً کوزے میں پانی نہ ہو تو اس سے بچنے کے کیا معنی؟ ایسا ہی جھوٹ پر قدرت نہ ہونے کو سمجھیں۔

چوتھا پہلو یہ کہ ''اہل سنت'' اس پر متفق ہیں کہ ''خیر اور شر کا خالق خدا ہے'' اور اس میں شبہ نہیں کہ شر ''عیب'' ہے۔ لیکن اللہ کا اس کو پیدا کرنا ''عیب'' نہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ جھوٹی کلام کرنا بھی اللہ کے لیئے ''عیب'' نہ ہو۔ چہ جائیکہ اس پر قدرت عیب کی ہو۔
غرض اس قسم کے وجوہ بہت ہیں جو ''دیوبندیہ'' کے نظریہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲) **کالم اول:** اصول دین چار ہیں: (۱) قرآن مجید (۲) احادیث نبوی (۳) فقہ (۴) اجماع امت

کالم دوم: بعض صرف قرآن مجید کو مانتے ہیں ''چکڑالوی'' بعض قرآن مجید اور احادیث کو مانتے ہیں اور ''فقہ'' اور ''اجماع'' کا انکار کرتے ہیں۔

تبصرہ: وہابی سے مراد اگر ''اہل حدیث'' ہیں تو وہ مطلق ''اجماع'' کے منکر نہیں ہاں ایسے ''اجماع'' کے منکر ہیں جیسے آپ نے وظیفہ ''**الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ**'' پر

''اجماع'' کا ذکر کیا ہے۔ پھر ایک غلطی آپ نے یہ کی کہ آپ کے مدمقابل ''دیوبندیہ'' ہیں۔ جن کو آپ گلابی وہابی کہتے ہیں۔

پوشیدہ نجدی اور کیا کیا القاب دیتے ہیں؟ ان کو بھی آپ نے اس لپیٹ میں لے لیا ہے حالانکہ وہ ان چاروں اصولوں کے قائل ہیں۔

(۳) کالم اول: فرشتے اور ''جن'' مخلوق خدا ہے جیسے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں تصریح کی گئی ہے۔

کالم دوم: فرشتے قوائے فطری کا نام ہے اور ''جن'' کوئی الگ مخلوق نہیں ہیں۔ بلکہ دیہاتیوں کو عربی زبان کی اصطلاح میں ''جن'' کہتے ہیں نعوذ باللہ۔

تبصرہ: اصل میں صاحب رسالہ ویسے ہی لکھتے چلے جاتے ہیں پتہ کچھ نہیں۔ کیا قوی کہنے سے مخلوق ہونے کی نفی ہوگئی؟ قوی بھی تو مخلوق ہی ہیں۔ پھر دوسری غلطی یہ کی ہے کہ دیہاتیوں کو ''جن'' کہہ دیا۔ حالانکہ یہ کسی کا عقیدہ نہیں ہاں! نیچریہ (منکرین حدیث) وغیرہ کا عقیدہ یہ ہے کہ فرشتوں اور جنوں سے مراد اچھے برے اخلاق اور قوی ہیں۔ پس صاحب رسالہ کو پہلے کالم میں یوں لکھنا چاہیے تھا کہ فرشتے اور جن ایک الگ اور مستقل مخلوق ہیں اور دوسرے کالم میں یہ لکھنا چاہیے تھا کہ نیچریہ(۱) کا مذہب ہے کہ فرشتے اور جن اچھے برے اخلاق کے مالک اور قوی ہیں تاکہ اہل حدیث اور دیوبندی وغیرہ اس لپیٹ میں نہ آتے۔

(۴) کالم اول: جس جنت سے حضرت آدم علیہ السلام خارج ہوئے وہ بلا شک وشبہ سماوی (آسمانی) جنت تھی۔

---

(۱) وضاحت: جدید نیچری مسلک یا منکرین حدیث کے سرخیل جناب پرویز کا یہ عقیدہ ہے کہ ''جن'' سے مراد دیہاتی لوگ ہیں۔

کالم دوم: جس جنت میں آدم علیہ السلام قیام پذیر تھے وہ سطح زمین پر مثلاً ملک یمن میں ایک باغ تھا جس سے آپ کا خروج محقق ہوا۔

تبصرہ: دوسرے کالم میں لکھنا چاہیے تھا کہ معتزلہ اوران کے پیروکاروں کا مذہب ہے تاکہ اہل حدیث وغیرہ اس کی زد میں نہ آتے۔

(۵) کالم اول: حضور ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ سلسلہ نبوت آپ کے بعد ختم ہوگیا اب کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا۔ ظلی ہو، یا بروزی، تشریعی ہو یا غیر تشریعی اگر کوئی نبوت کا دعوی کرے تو وہ کافر ہےاور جو اسکی تصدیق کرے وہ بھی کافر ہے۔

کالم دوم: نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا اور نہ ہی نئے نبی کی آمد سے ''ختم نبوت'' میں کوئی فرق آتا ہے یہاں تشریعی نبی نہیں آ سکتا مگر غیر تشریعی نبی آ سکتا ہے۔

تبصرہ: یہ مرزائی (قادیانی) عقیدہ ہے کہ نبوت غیر تشریعی ختم نہیں ہوئی اور پوری امت مسلمہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ قادیانی مرزائی دائرہ اسلام سے خارج ہیں مسلمان قطعاً نہیں ہیں اور نہ ہی امت محمدیہ سے ان کا کوئی تعلق ہے لیکن صاحب رسالہ نے کسی کا نام نہیں لیا یہ انکی غلطی ہے کیونکہ اس میں دوسرے بھی آ جاتے ہیں۔

(۶) کالم اول: تمام انبیاء بالعموم اور حضور ﷺ بالخصوص روضہ مبارک میں زندہ ہیں ان کی حیات حسی جسمانی ہے نہ معنوی۔

کالم دوم: کوئی نبی یا ''ولی'' قبر میں زندہ نہیں ہاں انبیاء کی حیات معنوی ہے نہ جسمانی۔

تبصرہ: جسمانی سے مراد اگر ایسی ''حیات'' ہے جیسی دنیا میں تو یہ آیہ کریمہ "انك ميت" کے خلاف ہے اور اگر حیات برزخی مراد ہے تو اس سے کسی کو انکار نہیں مگر اس کا نام

''جسمانی'' نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ دنیاوی (حیات) کا شبہ پڑتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ برزخی ہے جس کو ہم نہیں سمجھتے جیسے قرآن مجید میں ہے: ''**ولکن لاتشعرون**'' ہاں! جتنا اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے اس پر ہمارا ایمان ہے تفصیل کے لیئے ہمارا رسالہ ''وسیلہ بزرگان'' ملاحظہ ہو۔

(۷) کالم اول: نبی ﷺ کے معجزات اور ولی کی کرامات سے مردہ زندہ ہوسکتے ہیں آیات قرآنیہ احادیث اور کتب معتبرہ اس پر شاہد ہیں۔

کالم دوم: کوئی شخص دنیا میں مرنے کی بعد زندہ نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے کسی مخلوق کی نسبت ایسا عیقدہ رکھنا شرک ہے۔

تبصرہ: معجزات اور کرامات کے منکر نیچری (منکرین حدیث) ہیں اہل سنت نہیں مگر معجزہ اور کرامت چونکہ ''خرق عادت'' ہے اس لیے وہ وہیں بندر ہے گا جہاں آیا ہے جب عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کا زندہ کرنا قرآن مجید میں آیا ہے، اس کا منکر کافر ہے ایسے ہی کوئی اور خرق عادت ثابت ہوجائے تو اس کا منکر بھی کافر ہے۔

(۸) کالم اول: انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو علم الغیب عطائی اور وہبی من جانب اللہ جاننا صحیح اور درست ہے یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ''علم غیب'' عطا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو خواہ ''نبی'' ہو یا ''ولی'' عالم الغیب جاننا کفر اور شرک ہے چاہے اسے اللہ کے عطا کردہ علم سے ایسا جانا جائے۔

تبصرہ: کلی علم خاصہ خدا ہے ہاں! جتنا خدا وحی کے ذریعہ ان کو دیدے اس پر ہمارا ایمان ہے اس کی بحث چونکہ شروع میں گزر چکی ہے اس لیئے یہاں دھرانے کی ضرورت نہیں۔

(۹) کالم اول: ندائے غیبیہ یعنی انبیاء علیہم السلام اولیاء کرام کو خطاب حاضر کرنا جائز ہے مثلاً ''یارسول اللہ'' یا شیخ عبدالقادر جیلانی !شیئاً للہ! یا گنج بخش یا معین الدین چشتی یا خواجہ نقشبند وغیرہم

نوٹ ہم نماز میں ''التحیات'' پڑھتے وقت قبلہ دوعالم نبی اکرم ﷺ کو خطاب حاضر کرتے ہیں السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبركاته ندائے غیبیہ ہے۔

کالم دوم: ندائے غیبیہ یعنی غیر اللہ کو خواہ وہ ''نبی'' ہو یا ''ولی'' لفظ ''یا'' (جو حاضر کے لیئے مختص ہے) سے پکارنا شرک ہے۔

تبصرہ: اس کا بیان بھی گزر چکا ہے اس لیئے یہاں ضرورت نہیں۔

(۱۰) کالم اول: انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرامؒ سے ان کی زندگی میں اور وصال کے بعد اعانت ومدد مانگنی جائز ہے۔ رسالہ ہذا میں اس موضوع پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔

کالم دوم: غیر اللہ سے خواہ ''نبی'' ہو یا ''ولی'' امداد واعانت طلب کرنا شرک ہے۔ (نعوذ باللہ)

تبصرہ: اس کا جواب بھی مفصل ہو چکا ہے۔

(۱۱) کالم اول: حضور اقدس ﷺ کے روضہ مطہرہ کی زیارت کے لیئے سفر کرنا جائز ہے۔ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

کالم دوم: کسی ''نبی'' یا ''ولی'' کی قبر کی زیارت کے لیئے سفر کرنا نہ صرف ناجائز بلکہ شرک وکفر ہے (نعوذ باللہ)

تبصرہ: پہلے مسجد کی نیت کرے بالتبع روضہ کی کرے کیونکہ ایک تو روضہ مسجد کی حدود میں ہے۔ مسجد کی نیت میں روضہ کی نیت بھی آ جاتی ہے۔ دوسرا مسجد پہلے ہے اور روضہ بعد ہے

اس لیئے مقدم کو نیت میں رکھنا چاہیے۔ علاوہ ازیں نوٹ میں جو کچھ کہا ہے کہ صرف مسجد نبی کی نیت کرتے ہیں اس میں اتنا اضافہ اور کرنا چاہیے کہ اصالتاً مسجد نبی کی نیت ہوتی ہے اور بالتبع روضہ کی۔

(۱۲) کالم اول: حضور ﷺ اور اولیاء کے روضہ مبارکہ پر تعظیم کے لیئے کھڑا ہونا جائز ہے۔

کالم دوم: غیر اللہ کی تعظیم کے لیئے خواہ وہ ''نبی'' ہو یا ''ولی'' زندہ ہو یا قبر میں کھڑے ہونا شرک ہے۔

تبصرہ: جب اصل قبور سے فیض حاصل کرنے کا ثبوت ہی نہیں تو کھڑے ہونے سے کیا مطلب؟ اس کے علاوہ ''مشکوۃ'' باب القیام میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود اپنے لیئے تعظیما کھڑے ہونے سے صحابہ کرامؓ کو منع فرماتے تھے تو قبر پر کھڑے ہونے کی اجازت کس طرح ہوگی؟

(۱۳) کالم اول: مولود شریف میں بوقت ''السلام'' تعظیمی کھڑا ہونا جائز اور درست ہے تمام بزرگان دین کا دستور العمل ہے۔

کالم دوم: حضور ﷺ کی غائبانہ تعظیم کے لیئے کھڑا ہونا جو عموماً سلام کے وقت مروج ہے شرک و کفر ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

تبصرہ: مولود خود بدعت ہے تو اس میں کھڑے ہونا کہاں سے ثابت ہو گیا صاحب رسالہ نے اسی لیئے اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔

(۱۴) کالم اول: حضور اقدس ﷺ کے میلاد شریف کے دن اور گیارھویں شریف

یا دسویں محرم کے دن یا دیگر بزرگاں عظام، کے وصال پر ایصال ثواب کرنے کے بعد کھانا یا شیرینی تقسیم کرنا جائز اور درست ہے اور مقربین بارگاہ کا دستور العمل ہے۔

کالم دوم: میلاد شریف اور ''ختم گیارہویں شریف'' وغیرہ بالکل ناجائز اور ''بدعات'' سے ہیں۔

نوٹ: اگر کھانے کے لیئے ختم شریف کی شیرینی یا طعام میسر آ جائے تو بلا تامل کھا لیتے ہیں اور اپنی گرہ سے دام خرچ کرنا پڑے تو اس فعل حسنہ کو ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں تجربہ اس بات کا شاہد ہے۔

تبصرہ: جو کام ''بدعت'' ہو اس کو مقربین الہ نہیں کر سکتے اگر ''بدعت'' نہیں تو اصول دین سے اس کا ثبوت پیش کریں رہا یہ کہ میسر آ جائے تو کھا لیتے ہیں تو اس کے لیئے شیشہ دیکھیں وہ شکل خود ہی سامنے آ جائے گی (انشاءاللہ)

(۱۵)

کالم اول: تصور شیخ کرنا جائز اور درست ہے۔

کالم دوم: غیراللہ کا تصور کرنا ''شرک'' اور ''بت پرستی'' ہے۔

تبصرہ: ثبوت تو پیش نہیں کرتے ویسے ہی لکھے جاتے ہیں۔ یہ کوئی مریدوں کا حلقہ نہیں کہ آپ ''دن کو رات کہیں'' تو وہ کہیں ''اینکہ ماہ پروین''

(۱۶) کالم اول: تقلید شخصی واجب ہے۔

کالم دوم: تقلید شخصی کفر اور ''شرک'' ہے۔

تبصرہ: اگر قرآن وحدیث کے خلاف ہو، تو (تقلید شخصی) بے شک شرک ہے۔ ہاں!

قرآن وحدیث سے کوئی مسئلہ نہ ملے یا خود علم نہ ہو پھر دوسرے سے پوچھ کر عمل کرے اس سے کسی کا انکار نہیں قرآن مجید میں ہے۔

"فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون" علم نہ ہو تو "علم" والوں سے پوچھو۔

اور حدیث میں ہے: شفاء العی السوال یعنی جہالت کی شفا پوچھنا ہے۔
(مشکوۃ جلد اول صفحہ ۵۵ باب التیمم)

(۱۷) کالم اول: مردوں کو بعد میں ثواب برابر پہنچتا رہتا ہے۔ خواہ صدقہ جاریہ ہو، یا کسی اور عمل کا ضرور پہنچتا ہے ہاں وہ خود عمل کر کے "اجر" نہیں پا سکتے یہی مطلب ہے "انقطاع عمل" کا۔

کالم دوم: مردے کو صرف انہیں کاموں کا ثواب ملے گا جو وہ اپنی زندگی میں کر گیا کیونکہ مرنے کے بعد عمل منقطع ہو جاتے ہیں اور غیر کے عمل کا ثواب ہرگز پہنچنا۔

تبصرہ: جب "انقطاع عمل" ہو گیا تو اہل قبور سے استمداد کا سلسلہ منقطع ہو گیا یہ وہی چیز ہے جس کے لیئے ایک سو صفحات پر (مشتمل) ایک رسالہ لکھا ہے مگر الحمد اللہ! کہتے ہیں صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہنا چاہیے مگر میں یہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ہاں! دل سے توبہ ہو تو پھر بھولے ہوئے کی مثال ٹھیک ہے کہ حدیث میں ہے:

التائب من الذنب كمن لا ذنب له (مشکوۃ باب الاستغفار)

(۱۸) کالم اول: میلاد شریف اور معراج شریف وغیرہ کی تقاریب پر بہ کثرت روشنی جلانا جائز اور درست ہے اور بزرگان دین کا شیوہ ہے۔

کالم دوم: معراج شریف اور میلاد شریف کے مواقع پر بہ کثرت روشنی کرنا "اسراف" اور

''فضول خرچی'' پر مبنی ہے۔

نوٹ: اگر کسی سیاسی لیڈر کی آمد ہو یا کوئی اس قسم کا جلسہ ہو تو پھر جھنڈیوں سے اور بجلی کی روشنی سے ''بازار'' مزین کیے جاتے ہیں اور مفتی صاحب خود ایسی تقاریب میں شمولیت فرما کر پھولوں کے ہاروں سے اپنی زینت دوبالا کر کے کرسی صدارت پر رونق افروز ہوتے ہیں۔

تبصرہ: مکہ مکرمہ میں ایک پاگل عورت پیسے والی تھی وہ اپنے غلاموں کو ''سوت'' کاتنے کا حکم دیتی تھی جب تیار ہو جاتا تو پھر کہتی اب ''اس سوت'' کو روئی بناؤ اس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے: ولاتکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوه انکاثا ''یعنی تم اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے سوت کو طاقت صرف کرنے کی بعد ریزہ ریزہ کر دیتی''

صاحب رسالہ آخیر میں پہنچ کر کچھ ایسے حواس باختہ سے ہو گئے کہ اس عورت کی مثال قائم کر دی ہے۔ دیکھیے لیڈر کی مثال دے کر خود ہی اپنی تردید کر دی ہے کہ اس قسم کا انتظام زندہ کی آمد پر ہوتا ہے فوت شدہ لیڈر کا جلوس بھی کبھی کسی نے نکالا ہے؟ اگر کہا جا ہے کہ دنیا سے اگرچہ وفات پا چکے ہیں لیکن برزخی حیات ان (مرحومین) کی قائم ہے اس لیئے ایک حیات کو دوسری حیات پر قیاس کیا جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہی وہ پہلی غلطی ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے کہ ''برزخی حیات'' خرق عادت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولکن لا تشعرون، یعنی تم اس حیات کو نہیں سمجھتے اور ''خرق عادت'' اپنے محل پر بند رہتے ہیں۔ ان کا قیاس دوسرے پر نہیں ہو سکتا چنانچہ اس کا ذکر بھی (کئی دفعہ) ہو چکا ہے بہرصورت صاحب رسالہ نے لیڈر کی مثال دیکر اپنا کام آپ ہی ختم کر دیا۔ واللہ الحمد

(۱۹) کالم اول: روضہ مقدسہ اور اولیاء کی قبروں پر بوسہ دینا اور رخسار ملنا جائز ہے۔

کالم دوم: روضہ مطہرہ اور اولیاء اللہ کے مزارات کو چومنا اوران پر رخسار ملنا ناجائز بدعت اور شرک ہے۔

تبصرہ: کیا صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی قبر مبارک پر بوسہ دیا ہے۔ یا رخسار ملا ہے جب نہیں تو آپ کو کون پوچھتا ہے؟ بلکہ فقہ میں اس سے منع کیا گیا ہے جو کہ آپ کے نزدیک چار اصول دین میں سے ہے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

(۲۰) کالم اول: میراں بخش، محمد بخش، عبدالرسول، غلام رسول وغیرہ نام رکھنے جائز اور صحیح ہیں

کالم دوم: غلام رسول، عبدالرسول، محمد بخش وغیرہ نام رکھنے شرک فی اسماء اللہ ہیں۔

تبصرہ: جب بخشا خدا نے تو پھر میراں بخش، محمد بخش کے کیا معنی؟ نیز عبادت خدا کا حق ہے تو پھر ''عبدالرسول'' کہنا کیونکر صحیح ہوگا؟ ہاں! وقتی طور پر غلام کا معنی مراد لیکر ''عبد'' کا لفظ استعمال کرلیا جائے تو اس میں ایسی خرابی نہیں چنانچہ اس بناء پر قرآن مجید میں وقتی طور پر اس معنی میں استعمال ہوا ہے مگر نام رکھنے سے تو ہمیشہ استعمال ہوگا۔

اس لئے سلف نے ایسے نام نہیں رکھے۔ نہ ان کی اجازت دی ہے ہاں! جاہلیت میں ایسے نام رکھے گئے جو کسی وجہ سے بعض دفعہ بدلنے مشکل ہو جاتے ہیں مگر ''اسلام'' لانے کے بعد ''اسلاف'' نے ایسے نام نہیں رکھے اگر کسی میں ہمت ہے تو اس کا ثبوت پیش کرے لیکن یاد رکھیے۔

چہ گوئی بامن از مرغ نشانہ   کہ بہ اعتقاد بو: ہم آشیانہ

نوٹ: مزید اطمینان کے لئے مشکوۃ وغیرہ کا ''باب الاسامی'' بھی دیکھ لینا چاہیئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین .

تمت بحمداللہ